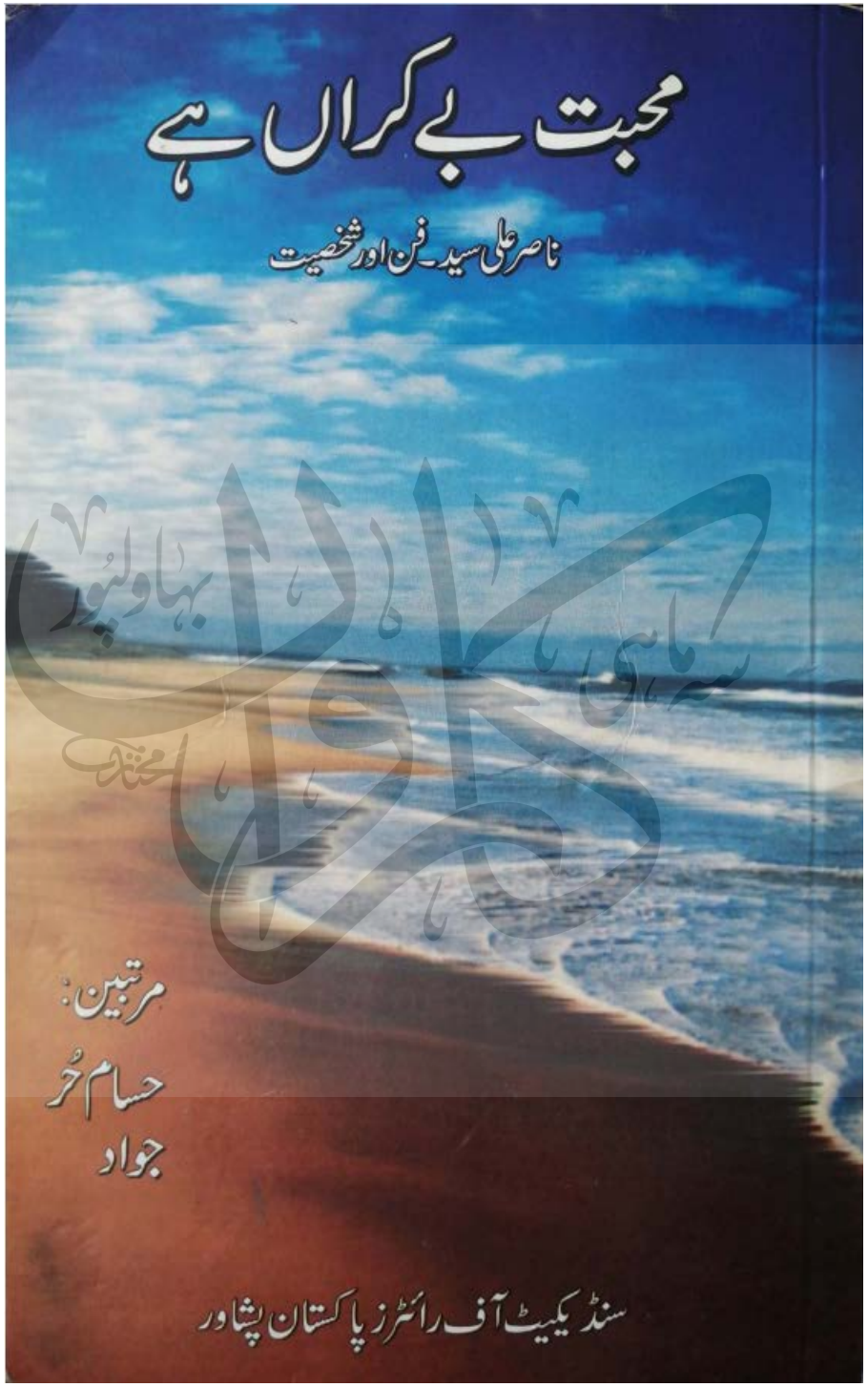

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

نام کتاب : محبت بے کراں ہے

اہتمام : پروفیسر ڈاکٹر خالد مفتی

اشاعت : یکم مئی 2010

سرورق وکمپوزنگ : سجاد علی خان

قیمت : 150 روپے

ناشر : سنڈیکیٹ آف رائٹرز پاکستان پشاور

فون نمبر : 0300-9331100

Published by:

ADMIRE

Rasheed Plaza, 1st Floor, Khyber Super Market,
Near Qayum Stadium, Peshawar Cantt.
Ph: +92-91-5252146 / 5580480 E-mail: admire_grafix@yahoo.com

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

انتساب:

دبستانِ پشاور کی آبرو

ناصر علی سیّد

کے نام

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

دریچے

1.	حرفِ اول	جواد	1
2.	ناصر علی سید کی شاعری پر ایک نظر	ڈاکٹر ریاض مجید	2
3.	تلخ نوائی	محمد اظہار الحق	6
4.	فریب دیتی شاموں کا شاعر	نذر عابد	11
5.	''شامیں فریب دیتی ہیں'' سے ایک مکالمہ	ڈاکٹر طاہر تونسوی	18
6.	نام ہی کافی ہے	سلیم راز	26
7.	''شامیں فریب دیتی ہیں''	پروفیسر ڈاکٹر خالد مفتی	30
8.	اندر کا سچ	ابرار حسین	36
9.	استفادہ ہے تو سہی	جواد	38
10.	شامیں فریب دیتی ہیں	بشریٰ فرخ	41
11.	شامیں فریب دیتی ہیں	مشتاق شباب	45
12.	صاحبِ دربار شاعر	ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی	50
13.	شامیں فریب دیتی ہیں	آصف ثاقب	59
14.	شامیں فریب دیتی ہیں	سعد اللہ جان برق	62
15.	ایسا کہاں سے لاؤں	محمد حماد حسن	67
16.	شام لمحوں میں ایک مکالمہ	یوسف عزیز زاہد	70
17.	تحفۂ درویش	عزیز اعجاز	76

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

18. شامیں فریب دیتی ہیں	ضیغم حسن	80
19. اک باغ و بہار آدمی	تنویر احمد	84
20. ناصر ایک سچا شاعر	فاروق احمد جان بابر آزاد	90
21. ''فریبی شاموں کا سچا شاعر''	سید زبیر شاہ	95
22. ''شامیں فریب دیتی ہیں''	رئیس احمد مغل	105
23. ناصر	قدسیہ قدسی	108
24. شامیں فریب دیتی ہیں	تنویر احمد	110
25. ناصر	طارق ہاشمی	115
26. استادِ محترم کے لیے	سعود	117
27. استادِ محترم	احمد فیاض	118
28. ناصر	طارق ہاشمی	119
29. شامیں فریب دیتی ہیں	طاہر شیرازی	122
30. پیرِ مغاں	ڈاکٹر نور حکیم جیلانی	122
31. حرفِ آخر	حسام حر	123

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

جو حرف حرف میں عکسِ جمال تیرا ہے
تو اس میں میرا ہے کیا، سب کمال تیرا ہے

ناصر علی سید

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

حرفِ اول

ناصر علی سید کہتے ہیں!

اَدھورے کام ہیں کتنے .....

تو پھر ان ادھورے کاموں میں سے ایک کام جو مدت سے التواء میں تھا کہ دوست جو آراء ناصر علی سید اور انکے شعری مجموعے ''شامیں فریب دیتی ہیں'' کے بارے میں رکھتے ہیں انہیں مرتب کر کے شائع کر دیا جائے۔اس خواہش کو خیال کی پگڈنڈی سے پختہ سڑک پر لانے کے لئے ناصر علی سید کو ملنے والے ''عکسِ خوشبو ایوارڈ 2008'' نے کلیدی کردار ادا کیا، جب خوشبو بھرے رتھ پر سوار یہ خیال ہمارے ذہن میں آیا کہ اُنھیں اک تحفہ دیا جائے تو یکم مئی (ناصر علی سید کا جنم دن) سے بہتر موقع اور کوئی نہ نظر آیا سو دوستوں کی آراء پر مشتمل یہ تحفہ ''محبت بے کراں ہے'' کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔

جواد

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

ناصر علی سید کی شاعری پر ایک نظر

ڈاکٹر ریاض مجید

ناصر علی سید کے ہاں وقت کا استعارہ کئی صورتوں میں ظاہر ہوا ہے ان کے مجموعۂ کلام کے عنوان ''شامیں فریب دیتی ہیں'' میں شام بھی وقت کی اکائی ہوتے ہوتے پورے وقت کا استعارہ ہے۔ لمحہ، ساعت، دن رات گزرتے ہوئے ماہ و سال کی اکائیاں ہیں جو قسط در قسط اور تجربہ در تجربہ پہلے شاعر کی حسیات میں اُترتی ہیں اور پھر اُس کی ہڈیوں میں آگ لگاتی ہوئی کاغذ پر اُترتی ہیں۔ بظاہر مجلسی زندگی میں ان شعر پاروں کے خالق کا تصور ایک شگفتہ مزاج شخصیت کے طور پر ابھرتا ہے لیکن بہ باطن اس شخصیت کے اندر دکھ اور اُداسی کے دو عناصر ہیں جو اس کی تخلیقی تنہائیوں میں صفحات پر ہی ظاہر ہوتے ہیں۔

باہر پھول بہت ہیں لیکن
ویرانہ ہے اندر سائیں

میرے اندر شور مچائے
چُپ کا ایک سمندر سائیں

نہیں ہے ساتھ کوئی بے کسی کے موسم میں
سو رو رہا ہوں مگر میری آنکھ تر بھی نہیں

یہ شعر اس صورتحال کی عکاسی کرتے ہیں جہاں پھیلتے ہوئے شہروں کے اندر روز بروز گھٹتی ہوئی تخلیقی تنہائیوں میں زندہ رہنے والے شاعر بے کسی کے موسم میں اپنے اندر کے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

خاموش سمندروں کو لفظوں کا روپ بخشنے میں مصروفِ کار رہتے ہیں
یہ کارِ ہنر اس انداز میں روتے ہوئے کرنا ہوتا ہے کہ اسمیں اس کی پلکیں تر نہیں ہوتیں نہ
اس کی عادت ہے نہ اجازت۔
تخلیق شعر کی ساعتوں میں آنسو فنکار کے اندر گرتے ہیں باہر نہیں۔۔اندر کی دنیا کا یہ سفر
جو بندھے پاؤں کرنا پڑتا ہے شاعر کے وہ تجربے ہوتے ہیں جو شاعر سے اپنے آپ کو
کہلوا لیتے ہیں۔شہر ہنر میں کسی بریدہ دست کا یہ عمل بقول ناصر فکر کو تجسیم کرنے کا عمل ہے
ایک ایسا عمل ہے جس میں دکھ تحریر تو ہو جاتے ہیں مگر شاعر اس عمل کے کسی مرحلے پر خود
کہیں تحلیل ہو جاتا ہے بقول میر تقی میرؔ۔

گلی میں اس کی گیا کھو گیا نہ لوٹا میرؔ
میں میرؔ میرؔ کہہ اس کو بہت پکار رہا

''شامیں فریب دیتی ہیں'' کی تخلیق کسی ایسے ہی جادو نگر میں ہوئی جہاں کہیں ہنستا کھیلتا
ناصر کھو گیا۔اب کسی شہر مدفون سے بچ نکلنے والا کوئی اور فنکار ظہور پذیر ہوا۔جواب دِل
میں غم اور آنکھ میں نم لے کر پھر رہا ہے اور اب جس کی گفتگو میں اسرار ہیں۔
ناصر نے غزلوں اور نظموں دونوں صفوں میں اپنے اُن دکھوں کا اظہار کیا ہے جنہیں اس
نے اپنے معاشرے سے کشید کیا ہے۔اس کا شعری شعور Poetic
consiciouness اپنے اور اپنے اردگرد کے مسائل کو قلمبند کرنے کے لیے اپنی
ذات کی نفی بھی کرتا ہے اور اس کا اظہار بھی۔
ناصر علی سید کا مجموعۂ کلام تخلیقی تنوع (Creative Diversity) پر مشتمل ہے۔ان
کی غزل نئی اُردو غزل کے مرکزی دھارے کے حوالے سے اپنی معنویت کا اظہار کرتی
ہے ان کا لب ولہجہ اگرچہ غزل کی کلاسیکی شائستگی کی بنیادوں پر استوار ہے مگر اس میں غزل

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

(3)

کا تازہ تر اظہار (Expression) اور اندازِ زبان (Diction) موجود ہے۔ نئے استعارے، جدید علامتیں، انگریزی الفاظ کا فطری استعمال اور ایک تازہ تر ماحولیاتی نظام جس میں آج کی غزل پھل پھول رہی ہے ناصر کے ہاں نظر آتی ہے۔

ناصر کی نظموں کے اندر زیادہ تنوع ہے۔ موضوع کا ہیئت کا اور بیان کا۔ ان کا صوتیاتی نظام بھی زیادہ وسیع اور جداگانہ مطالعے کا متقاضی ہے۔ ان کی نظموں میں بیانیہ، رزمیہ، مکالماتی اور وصفیہ کم وبیش تمام مروجہ اسالیب ملتے ہیں۔ ان کی درج ذیل عنوانات کی حامل نظمیں ان اسالیب کی مظہر ہیں۔

انسپریشن، ڈراپ سین، بستی نجام الدین، روئین، ہائیکو، سین ریو، اردو ٹپے، گلزار کے لیے، کراچی، کیپ گاڈ، پشاور ریڈیو کے لئے ایک نظم وغیرہ وغیرہ۔

یہ نظمیں اپنے اندر موضوعاتی، ہیئتی اور اسلوبیاتی تنوع رکھتی ہیں۔ میری ذاتی رائے میں (میں اس رائے پر اصرار نہیں کرتا) ناصر کی انفرادیت ان کی غزل کی نسبت ان کی غیر غزلیہ شاعری میں زیادہ نمایاں ہوتی ہے۔

اور اس کا اظہار زیادہ انفرادیت کے ساتھ صفحہ پر اُترا ہے یا یوں کہیئے کہ ان تجربات و مشاہدات نے ترسیل فکر کے مراحل زیادہ تازہ کاری سے طے کئے ہیں محفوظ کل کے لیے ایک دعا ناصر کی زندہ رہنے والی نظموں میں سے نمایاں نظم ہے۔ یہ نظم ذات سے شروع ہوتی ہوئی اپنے علاقائی بہاؤ اور استعاراتی وسعتوں میں ملکی اور بین الاقوامی سطح کی ایسی نظم بن جاتی ہے۔ جس کا انگریزی ترجمہ نہ صرف شاعر بلکہ اردو شاعری کے وقار اور اعتبار میں اضافہ کرسکتا ہے۔

یہ نظم تہدار معنویت کی حامل ہوتے ہوئے قاری تک اپنے ابلاغ کا رابطہ مکمل کرتی ہے۔ شاعری میں ایسی نظموں کی بہت ضرورت ہے جو انتشار اور بے یقینی کے گرد باد سے آئی

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

(4)

ہوئی مصاحر رویوں کی فضا میں ایک با برکت دن کے طلوع اور ایک یقین آثار تازہ جھونکے کی طرح ہوں۔

یہ نظم اپنے استعاراتی بہاؤ میں ہمیں ایک ایسے گھر کا مکین بنا دیتی ہے جو ہمارا گھر ہوتے ہوئے پوری دنیا کی جگہ لے لیتا ہے۔

میں اپنے تاثرات کا اختتام اس نظم کی اختتامی سطور پر کرتا ہوں۔

یہ گھر معتبر بھی ہے اور مستند بھی
کہ ہیں اسکی دہلیز پر سر جھکائے.....ازل بھی ابد بھی
تو اے.....اس کے اجلے سویروں، سہانی سی شاموں کے مالک مجھے وہ ہنر دے
کہ میں اپنے گھر کے مکینوں کی آنکھوں کو وہ روشنی دوں
کہ جس سے وہ اپنے ہر اک دکھ کو سکھ میں بدل دیں
کہ وہ بے کل و مضمحل آج کو
ایک مضبوط اور محفوظ کل دیں۔

یہاں نظم ختم ہو جاتی ہے اور لبوں پر واہ واہ کی بجائے آمین کے لفظ آ جاتے ہیں۔ یہ دعائیہ انداز نظم کی فضا کو ایک گہری سنجیدہ Higher Seriousness عطا کرتا ہے اور ان کی گہری سنجیدگی جو اچھی شاعری کی تخلیق کی بنیاد بھی ہے، جواز بھی اور حاصل بھی!

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

تلخ نوائی

محمد اظہار الحق

ناصر علی سید کو میں جب بھی دیکھتا ہوں تو میرے ذہن میں یہ نکتہ اٹھتا ہے کہ پشاور میں ناصر علی سید کی وہی اہمیت ہے اور وہی کردار ہے جو کسی زمانے میں لاہور کے حوالے سے صوفی تبسم، ڈاکٹر تاثیر، پطرس بخاری اور اس سے بھی پہلے محمد حسین آزاد کا تھا۔ یہ جو پشاور کی کہکشاں ہے جس کے ستاروں میں محسن احسان، عزیز اعجاز، سجاد بابر، ڈاکٹر نذیر تبسم کا نام آتا ہے (افسوس! غلام محمد قاصر اور یوسف رجا چشتی بچھڑ کر بہت دور چلے گئے ہیں اور محسن احسان برطانیہ جا بسے ہیں) اور اس سے بھی پہلے خاطر غزنوی کا نام تھا تو ناصر علی سید اس کہکشاں کا تابندہ اور کیا ہی رخشندہ ستارہ ہے۔ پشاور کے ادبی اور تہذیبی خاکے میں دل آویز رنگ بھرنے والوں میں وہ ایک نابغہ ہے۔ شہر، شہر سنگدل ہوتا ہے اور ہر شہر، شہر ناپرساں ہوتا ہے۔ یہ شاعر اور ادیب ہوتے ہیں جو شہر کو پتھروں کے شہر سے انسانوں کا شہر بناتے ہیں۔ اسی لئے تو شاعر نے کہا تھا

کوئی رومی کوئی حالی کوئی اقبال پیدا کر
کہ شہروں کی بڑائی ان کے میناروں سے ہوتی ہے

اہل پشاور کو تبریک کہ ان کے شہر کو اونچے مینار میسر ہیں۔ ان میناروں پر روشنی ہے اور ناصر علی سید ان میں ایک بڑا مینار ہے۔ ''شامیں فریب دیتی ہیں'' جہاں متاثر کرتی ہے اور محظوظ کرتی ہے وہاں پریشان بھی کرتی ہے اور پڑھنے والا اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ ناصر علی سید محبت اور معاملات کا شاعر ہے یا عوام کے مسائل کا۔ یوں لگتا ہے جیسے ناصر علی سید محبت کی

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

طرف بڑھتا ہے تو اسے پیچھے سے خلق خدا کی سسکیوں کی آواز آتی ہے۔ وہ مڑتا ہے لیکن ابھی دو چار قدم ہی اٹھاتا ہے کہ محبت کا کوہ ندا واپس بلا لیتا ہے۔ وہ جو احمد ندیم قاسمی نے کہا تھا

تو ذرا چند گھڑی پار افق پر سستا
میں ذرا دن سے نمٹ کر شب تار آتا ہوں

تو یہی حال ناصر علی سید کا ہے۔ وہ جیسے ہی کہتا ہے

گھبرا کے مرے شانے پہ وہ جھک سا گیا تھا
جب چاند دریچے کے برابر میں رکا تھا

تو اسے معیشت کے بڑھتے ہوئے گروتھ ریٹ میں عوام کی بدحالی یاد آتی ہے اور وہ کہتا ہے

ہونٹوں پر مرے دھوپ نے جب پیاس لکھی تھی
اس وقت میں دریا کے کنارے پر کھڑا تھا

وہ ایک طرف چھت پر لہراتے بالوں کے ساون بھادوں کا خواب دیکھتا ہے تو دوسری طرف

ملے گا کچھ بھی نہ تم کو بجز پشیمانی
یہ دور ایسا ہے سب اپنے خواب رہنے دو

لیکن انصاف یہ ہے کہ ناصر نے جہاں محبت اور معاملات کے شعر کہے وہاں مسحور کر کے رکھ دیا اور جہاں زندگی کی حقیقتوں کے پردے چاک کیے وہاں تلخ سنجیدگی لانے میں پوری طرح کامیاب رہا۔ اس نے تغزل کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا

اس نے میرا بھی حال پوچھا تھا
میں بھی عزت مآب تھا کل شب
ورق کچھ ڈائری میں رہ گئے ہیں
جوانی کو دوبارہ ڈھونڈتا ہوں

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

وقت کی شاخ سے جھڑے لمحے
ان میں تھا ایک میرا پہلا دن
چلو میں بھول جاتا ہوں چلوں تم یاد مت کرنا
چلو اب زعم میں اپنی انا کے سانس لیتے ہیں
تقریب تیری یاد کے کمرے میں بپا تھی
میں صدر بھی سامع بھی تھا خود بول رہا تھا

حیرت ہوتی ہے کہ عشق کی چادر اوڑھے دنیا و مافیہا سے بے خبر یہی ناصر علی سید جب زندگی کے ہنگاموں میں اترتا ہے تو جیسے دوسرا جنم لیتا ہے دیکھئے اقتدار کے زوال کا کیا نقشہ کھینچتا ہے کیا تیور ہیں اور کیا طنز ہے

کل تو کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہ دیا
آج لیکن مری سرکار ذرا آہستہ
وقت نے دیکھ لے کیا حال کیا ہے تیرا
اے مرے دوست مرے یار ذرا آہستہ

عالمی سیاست جب سے یونی پولر ہوئی ہے پوری دنیا اٹلانٹک کے اس پار کنٹرول ہو رہی ہے۔ ملکوں کے تاجدار ایک ہی دہلیز پر سربسجود ہیں۔ قوموں کی تقدیر کے فیصلے کولمبس کی نئی دنیا سے ہو رہے ہیں۔ اس عالمی استبداد کا نشانہ ہم بھی ہیں۔ ہمارا شاعر ان تلخ زمینی حقائق کا گہرا ادراک رکھتا ہے اور تلخی میں شاعری کی نزاکتوں اور روح فن کو مجروح نہیں ہونے دیتا۔

دکھاتا دور سے ہے دودھ اور شہد کی نہریں
مگر ان تک پہنچنے کے کبھی ویزے نہیں دیتا

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

عجب اک زعم ہے اس کو زمینوں پر خدائی کا
مری بستی میں مجھ کو پھولنے پھلنے نہیں دیتا
غریب شہر کا دشمن فقیہ شہر بھی تو ہے
کوئی فتویٰ امیر شہر کے ڈر سے نہیں دیتا

غریب شہر، فقیہ شہر اور امیر شہر، تینوں ترکیبوں کا استعمال ایک شعر میں ہوا ہے اور شعر بوجھل نہیں ہوا۔ المیہ یہ ہے کہ میں پیشہ ور نقاد نہیں اور میرے کھیسے میں وہ اوزار نہیں جو ہمارے نقاد کاندھے پر رکھے گلی گلی ''منجی پیڑھی ٹھکالو'' کی آوازیں لگاتے ہیں اور میرے پاس زیور طباعت سے آراستہ وہ فارم بھی نہیں جن پر سب کچھ لکھا ہوتا ہے اور صرف خالی جگہوں پر مصنف اور کتاب کا نام بھرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر آپ کو میرے اس مضمون میں ایسے فقرے نہیں سنائی دے رہے جو آپ کے سر کے اوپر سے گزر جائیں اور جن میں الفاظ کئی کئی من بھاری ہوں تو میں بصد ادب و عجز اعتذار کرتا ہوں اور آخری نکتہ بیان کرنے کی اجازت چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ محبت یا سیاست، معاشرت یا معاملات، ناصر علی سید شاعری کرنا جانتا ہے۔ لیکن سخن گسترانہ بات یہ ہے کہ اچھا شاعر، اچھا کیوں ہوتا ہے؟ یہ آج تک کوئی نہیں بتا سکا۔ جس طرح رحم مادر میں پرورش پانے والے بچے کو یہ سمجھانا ممکن نہیں ہوتا کہ دنیا کیسی ہے جس طرح بیٹی سے محروم شخص کو یہ باور کرانا ناممکن ہے کہ یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ جس طرح لغت یہ بیان کرنے سے قاصر ہے کہ پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں کس قدر عزیز ہوتے ہیں، جس طرح خارج از وزن شعر پڑھنے والے کو دنیا کی کوئی طاقت موزوں انداز میں پڑھنا نہیں سکھا سکتی، دنیا کی پوری تاریخ میں ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ شعر کو وزن میں پڑھنا سکھانے کے لیے یا ناشاعر کو شاعر بنانے کے لیے کوئی مکتب کوئی مدرسہ کوئی ادارہ بنا ہو، اسی طرح میرے لئے یہ کہنا ممکن نہیں کہ ناصر علی سید کے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

جو شعر میں آخر میں سنانے لگا ہوں وہ مجھے کیوں اچھے لگتے ہیں۔ بس یہ اشعار دامن دل کھینچتے ہیں۔ ان میں لفظیات، بندش، چُستی، بُنت، مضمون کا ترفع، تغزل سب کچھ ہے اور وہ کچھ بھی ہے جس کا نام ہی نہیں۔

اپنی سب دعاؤں کو لکھ دیا ہے ساحل پر
اور ٹوٹی کشتی کو پانیوں سے باندھا ہے
خواب کے جزیروں میں بے اماں ہواؤں نے
کج ادا چراغوں کو وحشتوں سے باندھا ہے
مضطرب سے لمحوں میں ہم نے دل کی ٹہنی پر
ایک زرد سا پتہ اٹکلوں سے باندھا ہے
کس جیت کی امید پہ زندہ رہے کوئی
ہے کار محبت میں خسارہ ہی خسارہ

جوں جوں یہ شعری مجموعہ ہم پڑھتے ہیں نشہ ہے کہ گہرا ہی ہوتا جاتا ہے۔ بند قبا ہیں کہ کھلتے ہی چلے جاتے ہیں۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

فریب دیتی شاموں کا شاعر

نذر عابد

شاعر، صوفی اور کسی دیوانے شخص میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے کہ یہ تینوں عالمِ خود فراموشی کی اتھاہ گہرائیوں میں اترتے ہوئے دور کہیں کھو جاتے ہیں اور بقول انجم یوسف زئی صورتِ حال یوں ہو جاتی ہے۔

کبھی کبھی میں بہت دور جا نکلتا ہوں
کبھی کبھی مجھے خود کو بلانا پڑتا ہے

''دور جا نکلنے'' تک کے مرحلے میں تو مذکورہ تینوں کرداروں میں اشتراکِ عمل پایا جاتا ہے لیکن ''خود کو بلانے'' پر قدرت رکھنا شاید کسی دیوانے شخص کے بس کی بات نہیں البتہ شاعر اور صوفی اس لمحۂ خود فراموشی سے واپسی کا راستہ تلاش کر لیتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ کبھی تہی دست و تہی دامن نہیں لوٹتے بلکہ کسی روحانی تجربے، کسی قلبی واردات سے کشیدہ فیوض و برکات کی روشنی سمیٹ کر خلقِ خدا میں تقسیم کرنے کے لیے پلٹ آتے ہیں۔ جیلانی کامران نے ایسے ہی کسی لمحے میں کہا تھا:

دور ندیوں کا سنگم دنیا
اک گدلی ، اک صاف
ان دونوں سے موتی چن کر
لایا جیم اور کاف

ناصر علی سید بھی خود فراموشی اور شعری بن باس کے جس تھکا دینے والے طویل سفر پر صبح کا

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

ذب کے وقت تاروں کی چھاؤں میں نکلا تھا، اب جو اپنے نقوشِ پا میں لہو بھرتے بھرتے لوٹ کے آیا تو اپنے آپ کو فریب دیتی شاموں کی دہلیز پر کھڑا پایا۔ سو اس نے اپنی ذات کی دریافت کے اس طویل سفر کے دوران میں چنے گئے سارے کانٹے، سارے پھول اس دہلیز پر ڈھیر کر دیئے۔

روز شامیں فریب دیتی ہیں
روز دیتا ہے اک دلاسا دن
جانے پھر کیسے کھو گیا مجھ سے
میری شاموں کا وہ شناسا دن

شام کی اس دہلیز تک پہنچتے پہنچتے ناصر علی سید تکمیل ذات کے جن کٹھن مراحل سے گزرا ہے ان سے ملنے والی تھکن کا احساس بھی اس کے شعری تجربے کا حصہ بنا اور اس کے ہاں اس تجربے کا بہت واضح اظہار بھی ہوا۔

تھکن بلا کی سفر سے ہے، جسم ٹوٹتا ہے
شکستہ ناؤ کسی گھاٹ اب اتار بھی دے

لیکن ناصر نے توڑ کر رکھ دینے والی اس تھکان کو اوڑھے ہوئے بھی اپنی شکستہ ناؤ میں ناراض پانیوں کا یہ سفر کبھی اپنے مضبوط حوصلے کو پتوار بناتے ہوئے اور کبھی دعاؤں کو روحانی وسیلہ بناتے ہوئے جاری رکھا۔

پانی بھی ہے زوروں پہ مری ناؤ بھی ٹوٹی
پر حوصلہ لے کر مجھے اس پار گیا ہے

.....

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

اپنی سب دعاؤں کو لکھ دیا ہے ساحل پر
اور ٹوٹی کشتی کو پانیوں سے باندھا ہے

تکمیل ذات کی اس طویل مسافرت کے باوجود ناصر کے ہاں عدم تکمیل کا ایک شدید احساس بھی پایا جاتا ہے۔ عدم تکمیل کا یہی شدید احساس اس کے لیے زندگی کے سفر کو رواں دواں رکھنے میں معاون ثابت ہوا ہے۔

میں اک پرکار سا گھوما ہوں کتنا
مگر پھر بھی ادھورا دائرہ ہوں

.....

کبھی حیات کا نغمہ سنا نہیں پورا
کہ زندگی تیری استھائیوں میں زندہ ہوں

ناصر علی سید کے ہاں سفر کا جو استعارہ اپنی بھرپور معنویت کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا ہے اس میں گاؤں سے شہر کی طرف ہجرت بہت معتبر حوالہ ہے۔ اس ہجرت میں اپنی مٹی سے بچھڑ جانے کی کسک بھی پائی جاتی ہے اور اس مٹی سے وابستہ یادوں کی بازگشت بھی سنائی دیتی ہے۔

گاؤں کی کچی حویلی سے نکل کر شہر کی جانب آنے کی کہانی ناصر نے اپنی نظم ''خسارہ'' میں یوں بیان کی ہے:

نکل کر گاؤں کی کچی حویلی سے
میں جب کھیتوں سے
کرنوں سے لدے خوشبو بھرے پیڑوں
بہت آباد کھلیانوں سے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

اور شہرِ خموشاں سے گزر کر
شہر کی جانب چلا تھا تو
بہت ہی زور سے
روتی خزاں کی بارشوں کا پہلا دن تھا

گاؤں سے شہر کی طرف ہجرت ناصر کی ایک شعوری کاوش اور خود اختیاری روش تھی یہی وجہ ہے کہ آغازِ سفر میں کسی ستارہ جبیں کے اشاروں کو اس نے یاد تو رکھا ہے، لیکن دل موہ لینے والے اور قدم روک لینے والے یہ اشارے اس کے راستے کی دیوار نہ بن سکے بلکہ اس نے تو خود اپنے مڑ مڑ کر دیکھنے کے عمل کو بھی حیرت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

رہ رہ کے جو رہ جانے کے کرتا تھا اشارے
ہم صبح سفر کا وہ ستارہ نہیں بھولے

.....

خود ہی شہر کی سمت مڑا تھا گاؤں سے
جانے پھر کیوں اس کو مڑ مڑ تکتا تھا

یہ ساری حیرتیں اس واضح نصب العین کی موجودگی کا پتہ دیتی ہیں جو زندگی کے راستے میں آگے بڑھنے اور رفعتوں کی تلاش میں نئی منزلوں کی نشاندہی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

بلندیوں سے پکارا ہے پھر مجھے اس نے
سو جا رہا ہوں ہواؤں پہ پاؤں دھرتا ہوا

ہواؤں پہ پاؤں دھرنے کے باوجود ناصر کے لیے اپنی مٹی سے، اپنی اصل سے اور اپنے گاؤں کی چھاؤں چھڑکتے پیڑوں سے جڑے رہنے کا احساس ہمیشہ طمانیت اور تقویت کا باعث رہا ہے۔ وہ جہاں بھی گیا یہ مٹھاس اس کے لہو میں رس گھولتی رہی۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

عجیب میٹھی سی چھاؤں میں دن گزرتے ہیں
جہاں بھی جاؤں مرا گاؤں ساتھ رہتا ہے

.....

کبھی جب گاؤں کی میٹھی سی چھاؤں یاد آئے تو
عجب اک عرصۂ کرب و بلا میں سانس لیتے ہیں

ایسی ہی کسی ساعت کرب میں سانس لیتے ہوئے ناصر کے ہاں مراجعت کی خواہش بھی جنم لینے لگتی ہے۔ خواہش پوری نہ بھی ہو تو رکھنے میں کیا مضائقہ ہے۔

وہی منظر پرانا چاہتا ہے
پرندہ لوٹ آنا چاہتا ہے
بہت روتی ہے پرکھوں کی حویلی
وہیں دل لوٹ جانا چاہتا ہے

لیکن ''کارِ جہاں دراز ہے اب میرا انتظار کر'' کے مصداق اس خواہش کی فوری تکمیل شاید ممکن نہیں، کہ جہاں شہر کی شاموں کے سحر نے ناصر کو جکڑ رکھا ہے وہاں وہ گاؤں کی صبحوں سے بھی کچھ شکوہ کرتا نظر آتا ہے۔

کچھ شہر کی شاموں میں بھی اک سحر تھا ناصرؔ
کچھ گاؤں کی صبحوں نے بھی ہم کو نہ پکارا

گلے شکوے کا یہ انداز اس وقت بھی سامنے آتا ہے جب سماجی زندگی میں سہارا بننے والے رشتے ناطے بھی کمزور ہوتے ہوئے محسوس ہوں۔ ناصر علی سید کے ہاں ان رشتوں کی بے توقیری اور پامالی کا نوحہ بھی سنائی دیتا ہے۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

میں دشمنوں کے ستم حرف حرف کہہ دوں گا
مگر وہ کیسے کہوں دکھ جو بھائی دیتے ہیں

.....

یہ کیسے خوف کی پرچھائیوں میں زندہ ہوں
کہ اپنے گھر میں ہوں اور بھائیوں میں زندہ ہوں

.....

جب سے اک دیوار آنگن میں اٹھی
اس حویلی کا کھنڈر ہے اور میں

رشتوں کی تمام تر ناپائیداری اور پامالی کے باوصف ماں کا رشتہ وہ عظیم رشتہ ہے جو ناصر کے ہاں ہمیشہ روحانی تسکین کے سرمدی احساس کے ساتھ زندہ رہا ہے۔

میں اپنی ماں کی دعاؤں کو اوڑھے رہتا ہوں
ہمیشہ سر پہ مرے اس کا ہاتھ رہتا ہے

ماں کی یہ محبت کہیں دھرتی ماں کی محبت میں ڈھل جاتی ہے تو ایسے میں ناصر کے لفظوں میں تقدس چھلک اٹھتا ہے۔

زمیں جو ماں ہے تو ماں سے یہ نفرتیں کیسی
کہ اس سے رکھنا تو اعلیٰ ہی نسبتیں رکھنا

دھرتی ماں کے ناخلف بیٹے اس سے کیسا ناروا سلوک روا رکھتے ہیں، اس کا دکھ ناصر نے نہ صرف محسوس کیا ہے بلکہ اس کا پوری شدت اور دردمندی کے ساتھ اظہار بھی کیا ہے۔

دھرتی ماتا کے آنچل کے تاروں کا بیوپار ہے ہر پل
کس کس کا میں نام بتاؤں اک اک میرا ماں جایا ہے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

اپنی مٹی میں خود غرضی اور فریب کاری کے عذاب بونے والے کا تذکرہ کرتے ہوئے ناصر کے قلم میں طنز کا ایک تیکھا انداز جھلکنے لگتا ہے، جس کی کاٹ بہت شدت سے محسوس کی جا سکتی ہے۔

امیر شہر کی خواہش کا احترام کرو
حقیقتوں کو چھپاؤ ، سراب رہنے دو
مرے اجڑنے میں کس کس کا ہاتھ ہے ناصر
یہ بات رہنے دو ، عالی جناب رہنے دو

مکانی اعتبار سے دیکھا جائے تو ناصر علی سید کی شاعری کا منظر نامہ آبائی گاؤں سے عالمی گاؤں تک کے متنوع رنگوں سے مرتب ہوا ہے جبکہ زمانی اعتبار سے یہ صبح کاذب سے شام ڈھلنے تک کا سفر ہے۔ شام، جو بیک وقت ملن کا دھارا بھی ہے، جدائی کا ستعارہ بھی ہے۔ شام، جس کی دہلیز پر دن رات گلے بھی ملتے ہیں، جدا بھی ہوتے ہیں۔ شام، جو بیک وقت لمحۂ وصال بھی ہے، ساعتِ ملال بھی ہے۔ پھر کون کہے، یہ کیا ہے؟ اور کون سمجھے، یہ کیا نہیں ہے؟ دھوکا، فریب اور سراب، یہی تو ہے۔ صبح کاذب کی ساری سوچیں، ساری آدرشیں شام ڈھلے دھوکا سا محسوس ہونے لگیں تو لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ ''شامیں فریب دیتی ہیں۔''

شام ڈھلے اب لگتا ہے سب دھوکا تھا
صبح سویرے میں نے جو بھی سوچا تھا

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

''شامیں فریب دیتی ہیں'' سے ایک مکالمہ

ڈاکٹر طاہر تونسوی

مجھے اپنی بات اس اعتراف کے ساتھ شروع کرنا ہے کہ میں نے ناصر علی سید کے شعری اظہارات کے مجموعے ''شامیں فریب دیتی ہیں'' کا مطالعہ اس کی غزل کے مکالمے سے اور پھر نظم کے معانقے سے کیا یہی وجہ ہے کہ محولا بالا اقتباس کی صورت پہلے غزل اور پھر نظم کا منظر نامہ تشکیل دیتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے نزدیک تخلیقی عمل کی بہترین شکل غزل ہی ہے اور بعد میں اس کا دوسرا فیز نظم کا ہیولیٰ بنتا ہے۔ اس حوالے سے ناصر علی سید کی نظم اور پھر غزل کا جائزہ لیں تو سب سے پہلی خوبی جو واضح طور پر دکھائی دیتی ہے وہ انفرادی اسلوب اور لب و لہجے کی ہے اور پھر دوسری خوبی یہ ہے کہ اس نے بڑے سے بڑے موضوع کو بھی نہایت آسانی کے ساتھ پوری لطافت اور رعنائی کے ساتھ بیان کیا ہے یوں زبان و بیان کی چاشنی صاف ابھر کر سامنے آتی ہے اور اس کا ذائقہ محسوس بھی ہوتا ہے لذت آگیں اور لذت آفریں صورتِ حال دل پر منقش ہو کر رہ جاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ ناصر علی سید اپنے نرم و ملائم لہجے میں شیریں لفظوں کے ساتھ آپ کے دل و دماغ کو سحر انگیزی کی جانب لا رہا ہے اور آپ ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے بھی جاتے ہیں اور اس کی تخلیقی فضاؤں میں اڑتے بھی چلے جاتے ہیں اور اس طرح ہر اس کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہیں جو غزل کی باریک بینی اور نظم کی بیروں بینی کے تناظر میں مسرت کے گلاب کھلنے والی کیفیات سے روشناس ہوتے ہیں اور پھر وہ آپ سب کو اپنے دیکھے اور ان دیکھے خوابوں میں بھی شریک کرتا ہے ایسے خواب جن کے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

دیکھنے کی خواہش آپ میں بھی ہوتی ہے۔رات کو دیکھنے والے خوابوں کی بھی اور دن میں جاگتے ہوئے خواب دیکھنے کی تمنا بھی۔۔۔اس طرح یوں لگتا ہے کہ ناصر علی سید آپ کو آپ سب کی بیتی سنا رہا ہے اور اس کی کتھا اور رام کہانی آپ سب کی بھی تو ہے یہی وجہ ہے کہ آپ ''شامیں فریب دیتی ہیں'' کو برابر اور مسلسل پڑھے جا رہے ہیں اور یہ سب ناصر علی سید کے اسلوب و بیان کا اعجاز ہی تو ہے کہ سوچ و فکر کے حوالے سے آپ نہ صرف اس میں کھبے ہوئے ہیں بلکہ کھپتے چلے جا رہے ہیں اور فعل حال جاریہ کی یہ کاریگری ناصر علی سید کے دست کوزہ گر کا کمال ہے اس کی صناعیت اور اس کی کرافٹنگ کی عمدہ مثال ہے اس کے تخلیقی شعور کی رو کی چند مثالیں دیکھیے۔۔۔

نہ جانے کون سا موسم مجھے ہرا کر دے
نمو کے واسطے بے تاب ہوں شجر میں ہوں
یہ دوستی بھی عجب چوب خشک ہے ناصر
نبھا رہا ہوں مگر ٹوٹنے کے ڈر میں ہوں

.....

سوائے دربدری اور کون جانے ہے
کہ میرے شہر کے نقشے میں میرا گھر بھی نہیں
نہیں ہے ساتھ کوئی بے کسی کا موسم ہے
سو رو رہا ہوں مگر میری آنکھ تر بھی نہیں

.....

مجھے آواز اب دو بھی تو کیا ہے
کہ میں بستی سے باہر آ چکا ہوں

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

وہ خال و خد بھی اب بجھنے لگے ہیں
میں جن سے روشنی لیتا رہا ہوں

.....

تم ہی کچھ حرف محبت کے عطا کر دیتے
میری جادو بھری تحریر تمہاری ہوتی
نیلی آنکھوں کی فسوں کاری اشارہ کرتی
دل کی ویران یہ جاگیر تمہاری ہوتی
ڈر جو رسوائی کا ہوتا نہ کبھی جان غزل
ایک اک شعر میں تصویر تمہاری ہوتی
تیری زلفوں کی گھنی چھاؤں میں گر سو سکتا
میرے ہر خواب کی تعبیر تمہاری ہوتی
قوس اور دائرے ہونٹوں کے ترے لِکھ سکتا
میرے اشعار میں تاثیر تمہاری ہوتی

.....

وہ جو اک لفظ کہ خسارہ ہے
میرے ہونے کا استعارہ ہے
اک دریچے نے ہم کو بتلایا
اس گلی میں کوئی ہمارا ہے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

نئے سورج کے اُگنے سے

میں پہلے ہی سفر آغاز کرتا ہوں

کہ خود سے روٹھنے کو

اور فسانے کو

کہ خود سے بات کرنے کو

کئی قصے سنانے کو

گذرتی رات اور دن کے

اُجالے کے حسیں سنگم سے بہتر

کون لمحہ ہے

(روٹین)

چلو اٹھو

کہ اپنے فیصلے خود آپ کرنے کی گھڑی آئی

ہمیں اب

نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

یک جان ہونا ہے

ہمیں اپنے سروں پہ ہاتھ رکھ کر

خود ہی اپنے آپ سے اک حلف لینا ہے

نیا ایک عہد کرنا ہے

(نیا عہد نامہ)

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

میں نے ناصر علی سید کی ان تخلیقات کا انتخاب بھی ایک خاص حوالے سے کیا ہے اور وہ حوالہ میرے مضمون کے عنوان میں بھی موجود ہے یعنی مکالمہ۔۔۔اور آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ناصر علی سید نے اپنے کلام میں کبھی اپنے آپ سے مکالمہ کیا ہے تو کبھی اس سے بات کی ہے کبھی اشارے کتابوں میں گفتگو کی ہے تو کبھی خود کلامی کی شکل پیدا کی ہے۔ کبھی خوابوں سے ہم کلام ہوئے ہیں تو کبھی ان کی تعبیریں پانے کے لیے سرگوشیاں کی ہیں کبھی شعر میں جانِ غزل کی تصویر اتار کر اس سے پوچھا ہے اور کبھی آواز نہ دینے کا اعلان نامہ جاری کیا ہے تو کبھی نئے عہد کا نیا عہد نامہ۔ یہ ساری کیفیتیں ناصر علی سید کی غزل اور نظم دونوں میں متشکل ہوتی ہیں اور وہ لفظوں سے جو تصویریں بناتے ہیں وہ ہم رنگ بھی ہیں ارہم جہت بھی اور ان کی جمالیاتی پیکر تراشی ان کے فکر وفن اور نظریۂ فن کا وضاحت نامہ بن کر ہمارے سامنے ابھرنے لگتا ہے کہ ان میں تجسس اور تحیر کی فضا بھی ہے جو غزل اور نظم کے لب ولہجہ میں تاثریت کے اضافے کا باعث ٹھہرتی ہے اور اس میں جو بے پناہ اعتماد کی ہے وہ ناصر علی سید کے تخلیقی جہان فن کو اور نمو بخشتی ہے۔ ناصر علی سید کے ہاں موضوعات کی فراہمی ہے اور الفاظ ایک ایسا ذخیرہ ہے کہ اس سے ایک لغت تیار کی جاسکتی ہے ایک اور وصف جو ناصر علی سید کی غزلوں اور نظموں دونوں میں پایا جاتا ہے وہ اپنے عصر کا ادراک ہے وہ آنکھیں بند کر کے نہیں بلکہ آنکھیں کھول کر دنیا کے بدلتے ہوئے حالات اور اپنے گردوپیش کا جائزہ لے کر اسے شعر کی زبان میں بیان کر دیتے ہیں ان کے ہاں سیاسی شعور بدرجۂ اتم موجود ہے اور وہ کائنات میں پھیلے ہوئے ہر خطے کی صورتِ حال اور اس میں بسنے والے لوگوں کے احوال سے واقف ہیں بڑی طاقتوں کی سازشوں سے وہ پوری طرح باخبر ہیں خاص طور پر وہ امریکی عزائم کو کھلے لفظوں میں بے نقاب کرتے ہیں اور اس کے فسطائی رویے کے خلاف قلمی جہاد کرتے ہیں اور اس کے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

توسیع پسندانہ عزائم کی مذمت بھی کرتے ہیں اس نازک موضوع کو انہوں نے نہایت سلیقے اور قرینے سے نظم کی بجائے غزل کے پیرائے میں بڑے ہنرمندانہ اور فن کارانہ طریق سے پیش منظر پر لائے ہیں ان کا کمال دیکھیے۔

وہ دیواریں اُگاتا ہے پہ دروازے نہیں دیتا
کسی کو اپنے گھر میں بھی تو وہ بسنے نہیں دیتا
دکھاتا دور سے ہے دودھ کی اور شہد کی نہریں
مگر ان تک پہنچنے کے کبھی ویزے نہیں دیتا
عجیب اک زعم ہے اس کو زمینوں پر خدائی کا
مری بستی میں مجھ کو پھولنے پھلنے نہیں دیتا
مرا رزقِ کشادہ تنگ کر دیتا ہے وہ پل میں
خلاف اپنے ہوا تک کو بھی جو چلنے نہیں دیتا
کسی کو دوست کہتا ہے تو وہ بھی کانپ جاتا ہے
کہ منزل تو دکھاتا ہے مگر رستے نہیں دیتا
غریب شہر کا دشمن فقیہ شہر بھی تو ہے
کوئی فتویٰ امیر شہر کے ڈر سے نہیں دیتا
اک ایسا خوف اس پہ موت کا طاری ہوا ناصرؔ
کسی کو عالمی گاؤں میں اب بسنے نہیں دیتا

اس میں جو علامتیں اور استعارے استعمال ہوئے ہیں یا جس عالمی صورتِ حال کے بارے میں اشارے کئے گئے ہیں وہ اپنی جگہ خوب ہیں اور جس انداز سے ناصر علی سید نے بات کی یا اپنا مافی الضمیر بیان کیا ہے یا جس طرح وہ اپنے دل کی بات زبان پر لائے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

ہیں یا جس طرح ان کے اندر کا حساس انسان بول پڑا ہے وہ ہر اعتبار سے اہم بھی ہے اور فن کارانہ مہارت کی دلیل روشن بھی ۔۔۔ اس تناظر میں اس کے اپنے لکھے ہوئے دو صفحے ''بیتی شاموں کا خسارہ'' اس کی حساسیت اور بیتی زندگی کے شب و روز کی طرف سے گذرتے ہوئے یادوں کے دریچوں کا منظر نامہ پیش کرتا ہے وہ اس میں جن بیتے دنوں کی کہانی بیان کر رہے ہیں اور اپنے سفر کی روداد سنا رہے ہیں وہ بظاہر خسارے کی بات کرتے ہیں مگر میرے نزدیک اس میں بھی وہ منافع میں رہے ہیں اور شعری مجموعے'' شامیں فریب دیتی ہیں'' کی ایک الگ خصوصیت سامنے آئی ہے کہ انہوں نے تو خود شاموں کو فریب دیا ہے اس کی چند سطریں دیکھیے ''اگر اس سفر کی کہانی پڑھتے ہوئے کسی موڑ پر بچھڑے ہوئے کسی بہت ہی اپنے کی یاد سے آپ کی آنکھوں میں کوئی منظر دھندلا جائے تو جان لیجئے کہ جس طرح گاؤں کی اجلی صبحوں سے بے اختیار کئے جانے والوں نے شہر کی سانولی سلونی شاموں میں رونق کے رنگ بھر دیئے ہیں تو بالکل اسی طرح کے اُجڑے اور بے آسرا لوگوں نے ہی اس آباد دنیا کے باسیوں کو جینے کا ہنر اور سلیقہ سیکھایا ہے۔''

ناصر علی سید کی نثر کا یہ ٹکڑا اس کی شاعری کی طرح ماضی حال اور مستقبل تینوں زمانوں کی ایک سچی اور سُچی تصویر دکھا رہا ہے اور اس کی زندگی اور شاعری دونوں گاؤں اور شہر کے بسنے والوں اور ان میں سانس لینے والوں کے لیے آباد دنیا کا استعارہ بن گیا ہے جس میں رچی بسی خوشبو اور اس میں گزرنے والے واقعات اور انسانی رویے عالمی نظام کی بدلتی ہوئی اقدار کے حوالے سے بے بس باسیوں کو جینے کا ہنر بھی سکھا رہے ہیں اور اپنے وجود کے عدم احساس کے باوجود زندہ رہنے کا حوصلہ بھی دے رہے ہیں ۔ جیسا کہ میں نے عنوان میں ''مکالمے'' کا لفظ استعمال کیا ہے تو یہ یونہی نہیں کیا سچ تو یہ ہے کہ ناصر علی

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

سید کی شاعری اس دورِ بے بصر اور عہدِ کم سواد میں اس دنیا کے ہر باسی سے مکالمہ کرتی دکھائی دیتی ہے اور اس رویے کی بدولت وہ معتبر ٹھہرتی ہے۔۔۔

کسی کو شاعری ورثے میں تھوڑی ملتی ہے
یہ خونِ دل سے نہ سینچو تو معتبر بھی نہیں

آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا ناصر علی سید نے یہ شاعری خونِ دل سے کشید نہیں کی؟

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

نام ہی کافی ہے

سلیم راز

ناصر علی سید کو اپنے تعارف کا کوئی جھنجٹ پالنا نہیں پڑتا۔ بس ''نام ہی کافی ہے'' کے مصداق جہاں بھی جاتے ہیں اپنے نام کے حوالے سے ہی جانے پہچانے جاتے ہیں اور یہ نام کا حوالہ بھی ایک ایسا متنوع استعارہ ہے جس میں ان کی شخصیت سمٹ سمٹ کر پھیلتی چلی گئی ہے۔ جس کا احاطہ کرتے کرتے کئی دیگر حوالے سامنے آ کر اپنا آپ منوانے پر اصرار کرتے ہیں اور کوئی ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ہوتا جسے نظر انداز کر کے آگے بڑھا جا سکے۔

''شامیں فریب دیتی ہیں'' میں ناصر کے تخلیقی مزاج اور تہذیبی احتجاج کا ایک ایسا سماجی رویہ کھل کر سامنے آتا ہے۔ جس کے بعد ان کے تحلیل نفسی کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اور نہ ہی ان کی شناخت کا کوئی اور حوالہ زیادہ معتبر ٹھہرتا ہے کیونکہ شعری مجموعے کے اس الٹرا ساؤنڈ ایکسرے نے ان کے ظاہر و باطن کی عکاسی کرتے ہوئے ان کی حقیقی شخصیت پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے ویسے بھی نام ہے شخصیت کے اظہار کا۔ لہٰذا ہمیں اپنی بصارت سے زیادہ انکی بصیرت کی اس مصدقہ بیان حلفی پر یقین کرنا ہوگا۔ جو'' شامیں فریب دیتی ہیں'' میں علانیہ یا بین السطور اپنی سچائی کے حسن اور حسن کی سچائی کا ابلاغ لئے ہوئے ہے اور بقول ٹالسٹائی:

''فن نام ہے ابلاغ کا''

اور یہی فن ناصر علی سید کی شخصیت کا بنیادی حوالہ اور فکری استعارہ ہے۔ ادب و فن کا ترقی پسند نظریہ بتاتا ہے کہ ادب اور فن فنکار کے تخلیقی شعور و حسی تجربے کا اظہار ہونے کے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

ساتھ ساتھ ایک سماجی عمل کا نام ہے۔ جو اپنے ماحول اور حالات کے سیاق وسباق میں ہی تشکیل و تکمیل پاتا ہے اور جسے ایک تخلیق کار اپنے حس و شعور کے رنگ و آہنگ میں سموتے ہوئے اپنے تخلیقی تجربے کو اپنے سماج و عصر کا عکاس و نمائندہ بنا کر دوام بخشتا ہے ۔اسی باعث فن کا داخلی سفر خارج کے اثرات ہی میں آگے کی جانب بڑھتا ہے ورنہ پھر وہ ایک دائرہ ہی میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ ناصر نے بھی غالباً اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ:

میں اک پرکار سا گھوما ہوں کتنا
مگر پھر بھی ادھورا دائرہ ہوں

آنکھوں سے دل اور دل سے آنکھوں کا کام لینے والے دھیمے اور میٹھے لہجے کے یہ شاعر چاند چہروں اور بولتی آنکھوں کا تعاقب کرتے کرتے کہیں بند گلی میں پھنسے تو نہیں۔ البتہ اپنے ماوارد یچوں نے ان کی نظروں کو یرغمال بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ مگر اس کے باوجود وہ اپنے اردگرد کے ماحول، سماجی زندگی اور سیاسی حالات و واقعات سے بے خبر و بے نظر نہیں رہے۔ ان کے احساس اور شعور نے انہیں فرار کا راستہ نہیں دکھایا۔ بلکہ ان سب کا اظہار بڑی ہنرمندی سے ان کی تنقید حسیات کا لمس لئے انکے تخلیقی تجربوں میں ہوتا رہا ہے۔ فنکار کا یہی احساس اور شعور ہی تو ان کا تخلیقی تجربہ بن کر پکار رہا ہے کہ:

لوگ تھک ہار کے چپ بیٹھ گئے
تم تو اے دیدہ ورو رقص کرو
اس گھٹن کا ہے یہی حال ناصر !
روز و شب رقص کرو ، رقص کرو

اس رقص کا نام تو سماجی عمل ہے۔ سماجی زندگی ہے اور سماجیات کو سمجھنے کی عملی سائنس ہے۔ جس سے گھٹن کا مقابلہ اور Status Quo کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی رقص ہی سے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

جمود کو توڑا اور حرکت کا طریقہ وسلیقہ سیکھا جا سکتا ہے۔

ناصر کی شاعری میں داخلیت سے خارجیت کی طرف سفر کی رفتار اگرچہ بہت ہی مدہم اور آہستہ ہے۔ مگر اندھیرے سے روشنی کی جانب اور نہایت ہی حوصلہ افزا ہے اور جس سے خاموشی کے ٹوٹنے کی صدا آتی ہے۔

سکوت شہر کے کانوں میں آج پھر ناصر
اک انقلاب کے نعرے سنائی دیتے ہیں

شاعر کی خود آگہی اجتماعی شعور و آگہی میں بدلتی نظر آ رہی ہے کہ:

جب ملے جنگ سے فرصت تو ذرا گن کر آ
فاختاؤں کے یہ جھلسے ہوئے پر کتنے ہیں
ہجرتیں جب سے بنیں اپنا مقدر ناصر!
اپنی بستی میں یہ بے نور سے گھر کتنے ہیں

اسی طرح ناصر کا سیاسی شعور ہی یہ نعرہ دے سکتا تھا کہ:

کبھی جو وقت کے ظلم و ستم سے گھبراؤ
علم اٹھاؤ، یہی معتبر نشانی ہے

ایک طبقاتی شعور رکھنے والا شاعر ہی ایسا شعر کہہ سکتا ہے کہ:

اگی تھی بھوک ہی ہر سو تو فصل کاٹنے سے
بڑی اداسی سے کھینچا میرے کسان نے ہاتھ

سچی بات تو یہ ہے کہ ناصر جیسا صرف اور صرف عالمی منظر نامے سے باخبر، باشعور و باضمیر شاعر اپنی حب الوطنی، انسان دوستی اور سامراج دشمنی کی بنیاد پر ایسی تخلیق کر سکتا ہے کہ:

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

وہ دیواریں اگاتا ہے پہ دروازے نہیں دیتا
کسی کو اپنے گھر میں بھی تو وہ بسنے نہیں دیتا
عجب ایک زعم ہے اس کو زمینوں پر خدائی کا
میری بستی میں مجھ کو پھولنے پھلنے نہیں دیتا
غریب شہر کا دشمن فقیہ شہر بھی تو ہے
کوئی فتویٰ امیر شہر کے ڈر سے نہیں دیتا

''شامیں فریب دیتا ہے'' میں اسی سچائی کا اظہار کیا گیا ہے۔ جس میں ناصر کی تنقیدی حس اور تخلیقی فکر کا حسن واضح نظر آتا ہے اور شاعر کی خود کلامی کے گنبد سے باہر نکل کر اپنی آواز کی تازگی و توانائی سے اپنے سماجی وجود کی گواہی بھی شامل ہے کتاب کی رونمائی سے زیادہ شاعر کی ''روح نمائی'' کے آخر میں صرف اتنا ہی کہ:

اڑائے پھرتی ہے مجھ کو کراں کراں ناصر
میں اپنی فکر کی انگڑائیوں میں زندہ ہوں

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

''شامیں فریب دیتی ہیں''

پروفیسر ڈاکٹر خالد مفتی

اہل ذوق کی مجلس طرب تنگ دلوں کے گوشۂ خاطر کی طرح تنگ نہیں ہوتی اس میں بڑی وسعت ہوتی ہے کائنات کی بزم میں تو وہی زندگی سج سکتی ہے۔ جو ایک جاری دل پہلو میں اور چمکتی ہوئی پیشانی چہرے پر رکھتی ہو۔ French اہل دانش اور نوبل پرائز یافتہ آندرے ژید Anre Guillaunce کی ایک بات مجھے بہت پسند آئی جو اس نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں لکھی ہے ''خوش رہنا محض ایک طبعی احتیاج ہی نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی ذمہ داری ہے'' خواتین وحضرات خود خوش رہ کر دوسروں کو خوش رکھنے کی خواہش ناصر علی سید کا ایک انتہائی مثبت انداز فکر ہے۔ ذرا سوچئے ایک مرجھایا ہوا چہرہ پوری محفل کو سوگوار کر دیتا ہے۔ نفسیاتی اصطلاح میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہماری زندگی آئینہ خانہ ہے یہاں پر چہرے کا عکس بیک وقت سینکڑوں آئینوں پر پڑتا ہے۔ ناصر علی سید وہ باغ و بہار شخصیت ہیں جس کی مجلس میں، میں نے کسی قسم کا تکلف نہیں پایا۔ جو بھی یہاں آنا چاہے اپنے سر پر بھاری بھرکم پگڑی اتار کر آئے۔ کیونکہ ایسے شخص کیلئے یہاں گنجائش نکالنا مشکل ہے۔

شامیں واقعی فریب دیتی ہیں لیکن آج کی شام دلفریب یوں ہے کہ ناصر کے دل کی کہانی ہمدموں کی زبانی سن کر کبھی جذبات میں تلاطم رواں ہوتا ہے تو کبھی فکر کو بھی سناٹا چھا جاتا ہے۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

تحلیل اور Critique کی اس روشن محفل میں مجھے اپنی حکمت کی شمع جلانا مقصود نہیں۔ شاید ذوق لطیف اور شدتِ احساس کا مارا دل مجھے اپنی روزمرہ پیشہ وارانہ محرومیوں سے نکال کر ایک ایسے گروہ میں کھینچ لایا ہے جہاں میری وحشت کو سکون دینے کیلئے نامور معالج جلوہ فرما ہیں۔

''شامیں فریب دیتی ہیں'' کے مطالعے کے دوران مجھے بارہا اپنی ذہنی صحت کے حوالے سے مختلف کیفیات وعوارض سے گذرنا پڑا۔ جناب صدر مجلس اگر اجازت دیں تو اس احوال واقعی کی مختصر روداد زبان کی نوک پر لاؤں۔ اس لئے کہ نفسیاتی طب کی اصطلاح میں لطف بیان نہ سہی ۔ قائدہ بیان نہ سہی صرف بیان ہی Therapeutic Relationship یعنی علاج کے حوالے سے تعلق کی ابتداء ہوتی ہے۔

Phobic Anxiety یعنی میری بے چینی اس وقت گواہی بن گئی جب ناصر اپنی کہانی میں یوں گویا ہوئے کہ

گھبرا کے میرے شانے پہ وہ جھک سا گیا تھا
جب چاند دریچے کے برابر میں رکا تھا

ناصر کے توانا شانے ہی یہ بوجھ اٹھا سکتے ہیں اور میرے خیال میں اٹھاتے چلے آئے ہیں۔

بھری محفل میں تنہا رہ گیا ہوں
مجھے تیری کمی مہنگی پڑی ہے

یہاں کتنی Isolation یعنی تنہائی ہے۔ خواتین وحضرات یہ احساسِ تنہائی صرف محبت کے نفسیاتی پہلو کو ہی اجاگر نہیں کرتا بلکہ یہیں سے Depression کی شروعات ہوتی ہے۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

Depression میں انتہا اُس وقت ظاہر ہوتی ہے جب انسان اپنے ماحول اور اپنے آپ سے اتنا بیزار دکھائی دے بقول شاعر

وہ شفق ہو کہ سمندر ہو کہ میرا دل ناصر
شام ہوتی ہے تو ہر چیز لہو روتی ہے

Helplessness and Hopelessness یعنی نا میدی اور بیچارگی کی کیسی بے باک تصویر کشی کی گئی ہے۔ ذوق سماعت ہو۔

مضطرب سے لمحوں میں ہم نے دل کی ٹہنی پر
ایک زرد سا پتہ اٹکلوں سے باندھا ہے

مایوسی میں جب انسان خواب اور ہوش کی درمیانی اذیت ناک کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے اسے نفسیات طب کی اصطلاح میں Depersonalization کہتے ہیں۔ یاس کے اس لمحے کو شاعر یوں بیان کرتا ہے۔

دھواں سا بھر گیا آنکھوں میں میری
تو کیا خود سے بھی اب اُکتا رہا ہوں

اضطرابی کیفیت یعنی Anxiety Neurosis جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو معالج سبک رفتاری قلب کی دوا دیتے ہیں۔ جسے شاعر یوں بیان کرتا ہے۔

مسلسل دستکیں سی ہو رہی ہیں
یہ دل سینے میں اب گھبرا گیا کیا

شاید اس حالت نے ناصر کو مجبور کر دیا کہ عارضۂ قلب کی دوا لے لیکن دوا سے زیادہ جب اپنی گرہستن کونسلر کی

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

وہ آنکھیں گھر سے جب ہمراہ چلیں
پھر تو تپتا رستہ ' ٹھنڈا سایہ تھا

دیکھئے کتنا خوش بخت ہے یہ شخص خدا کرے اس کی Family Counneselling برقرار رہے۔ غم اور Crisis کے دور میں Psycotherapy اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی جب انسان کو وحشتوں کا ساتھی مل جائے

میں نے کہا سکون کو ترستی ہے یہ نظر
نظریں جھکا کر اس نے کہا مجھ کو دیکھ لے

ناصر علی سید معاشرتی نفسیات یعنی Social Psycology پہ گہری نظر رکھتے ہیں۔ Massive Trauma یعنی صدمات کی اذیت اور انسانی حقوق کی پامالی کا نقشہ اس کتاب میں یوں پیش کیا گیا کہ

ہجرتیں جب سے بنی اپنا مقدر ناصر
اپنی بستی میں یہ بے نور سے گھر کتنے ہیں
سحر ہونے سے پہلے دار پر کھینچ جاتا ہے ناصر
کہ ہونا جرم ہے اور اس سزا میں سانس لیتے ہیں

موجودہ ملکی حالات کو دیکھتے ہوئے شاید یہ شعر انہوں نے Suicidal Bombing کے بارے میں کہا۔

اب تو ہر شخص نے چہرے پہ لہو پہنا ہے
کون مقتل میں تھا اس خاک بہ سر سے پہلے

معاشرے کی بے حسی کے Cancer کو اس سے زیادہ کیا کہا جا سکتا ہے۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

(5)

میں اپنے فکر کی تجسیم کس طرح سے کروں
بریدہ دست ہوں اور شہر بے ہنر میں ہوں

ریاستی دہشت گردی اور مقبوضہ کشمیری عوام پر مظالم دیکھ کر ناصر انتہائی Frustate ہو کر ایک دیہاتی پٹھان ہونے کے ناطے انتقامی جذبے کو شاعرانہ الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے کہتا ہے۔

اذیت کے سفر میں راستوں کو خون سے قندیل کرنا ہے
ہمیں۔۔۔۔جغرافیہ تبدیل کرنا ہے

سامعین میرے خیال میں یہ وہ مقام جو کہ جہاں آج کے دور میں Freedom Fighting اور Terrorism میں فرق بہت مشکل ہے ذہنی حقاق کی طرف ناصر کا یہ شعر Diagnostic ہے۔

سورج سوا نیزے پہ مگر اسکا ہنر ہے
مقیاس میں حدت کا چڑھا ہی نہیں پارا

حاضر وقت میں ملک کو درپیش سیاسی بحران حل کرانے کیلئے مضطرب جذباتی سیاستدانوں کیلئے ناصر کا یہ شعر انتہائی نافع ہے

وقت عکاس ہے تصویر اسے لینا ہے
تم گرانا میری دستار ۔ ذرا آہستہ

"شامیں فریب دیتی ہیں" مطبوعہ ٹپے میں شاعر دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنے Nonverbal Communication کے فن کو اجاگر کرتا ہے۔

تیری جب آنکھ بولتی ہے
قسم خدا کی کوئی بات نہ کر پائے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

تیری پلکوں کی جھالریں جب
اٹھیں تو نبض سے کی بھی رک جائے

ناصر نے اپنی شاعری میں جملہ ذرائع وحقیقت یعنی حواس خمسہ۔ کشف و وجدان اور روحانیت کا استعمال انتہائی مثبت اور موزوں انداز میں کیا ہے۔ مثلاً ناصر اپنی مخفی روحانیت اور عشق وطریقت کو قطعاً نہیں چھپا سکتا جب لگن کا مارا یہ کہتا ہے۔

ہوائے کوئے نبی میری دل کی بگیا میں
کبھی جو آئے تو میں اس کے ساتھ ہی ہولوں

ناصر کی ''رقص کرو'' والی غزل میں وجدان کی انتہا ہو جاتی ہے۔ جب وہ حدت کی شراب پلاتا ہے۔ ہم سب کو متحرک کرنے اور مایوسی کو خوشی میں بدل دیتا ہے۔

لوگ تھک ہار کے چپ بیٹھ گئے
تم تو اے دیدہ ور رقص کرو
ایک نعرہ ---- تنانا ہو یا ہو
یعنی اک جام بھر و رقص کرو

میری نظر میں ''شامیں فریب دیتی ہیں'' کا Message ناصر علی سید خود ہی دے رہا ہے۔

ایک خواہش ناکام اگر چھوڑ دے مجھ کو
اک خواب کی تعبیر مجھے راہ سمجھائے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

اندر کا سچ

ابرار حسین

صائب نے کہا تھا!

گفتارِ صدق مایۂ آزادی شود
چوں حرف حق بلندی شود داری شود

مگر شاعری کی مجبوری یہ ہے کہ اگر یہ سچ پر مبنی نہ ہو تو شاعری نہیں رہتی۔ یہ تو ہے ہی اپنے احساسات و جذبات کا سچے طریقے سے اظہار جو خوبصورت پیرائے میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسی لیے تو Keats نے کہا تھا کہ سچ خوبصورتی ہے اور خوبصورتی سچ ہے۔

ناصر علی سید کی شاعری بھی اندر کے سچ کا اظہار ہے اور اس کی کتاب سے اس کی تہہ در تہہ شخصیت کے بہت سے پرت کھلتے ہیں۔ یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ زندگی کے حقائق کو کس نظر سے دیکھتا ہے اور زندگی میں اس کے Ideals کیا ہیں۔ اس کی شاعری میں غمِ جاناں بھی ہے اور غمِ دوراں بھی۔ محبت کا ذکر بھی ہے اور اہلِ منافقت پر طنز بھی۔ اس کی محبت کا محور صرف فرد ہی نہیں۔ معاشرہ کی اقدار اور زندگی کے اصول بھی ہیں۔ مثلاً قائداعظم کیلئے لکھا گیا یہ شعر دیکھئے:

الگ سمجھتے ہیں جو فرض کو عبادت سے
ہم اُن کے سامنے تیری مثال رکھتے ہیں

اور جنگ مسلط کرنے والوں کیلئے یہ شعر:

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

جب ملے جنگ سے فرصت تو ذرا گن آ کر
فاختاؤں کے یہ جُھلسے ہوئے پر کتنے ہیں

اس طرح امریکہ' عراق جنگ کے پس منظر میں لکھے گئے شعر ایک بڑا واضح سیاسی تبصرہ ہیں۔ااور پھر اس سے بھی بڑھ کر ''محفوظ کل کیلئے ایک دعا'' میں ناصؔر کی اپنے دیس سے جذباتی وابستگی اور اس کے لیے مضبوط اور محفوظ کل کی تمنا جگمگاتی نظر آتی ہے

''شامیں فریب دیتی ہیں'' میں ناصؔر کے یہاں موجود تنوع کا بڑا واضح اظہار بھی ہوتا ہے ۔یہ تنوع مضامین کے لحاظ سے بھی ہے اور اصنافِ شعر کے لحاظ سے بھی۔اُس کے یہاں غزل بھی ہے اور نظم بھی' ہائیکو بھی ہیں اور گیت اور ٹپے بھی۔وہ نعت رسول مقبول بھی لکھتا ہے اور شہیدانِ کربلا کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت بھی پیش کرتا ہے۔اپنی پسندیدہ شخصیات کیلئے نظمیں لکھ کر اُنہیں خراج پیش کرتا ہے اور یومِ کشمیر پر نیا عہد نامہ لکھ کر دلوں کی آواز کو نظم کا روپ دیتا ہے۔اس نظم کی یہ سطریں خاص طور پر ملاحظہ فرمائیے:

بہت تکیہ کیا اقوامِ عالم کے ادارے پر کہ جس کو ایک بڑی طاقت کے زخموں کو رفو کرنے سے فرصت ہی نہیں ملتی۔

(جسے کچھ بھی نہ کرنے کے صلے میں امن کا اعزاز ملتا ہے۔)

سو ہم کو خود لہو میں تر کشیدہ قامتوں کے سرخ خوابوں کو ہری تعبیر دینی ہے۔ہمیں دنیا کے نقشے کو نئی صورت نئی تصویر دینی ہے۔

اگر مجھے ایک فقرے میں ناصؔر کی شاعری پر تبصرہ کرنا ہو تو میں کہوں گا کہ وہ محبت اور سچ کا شاعر ہے: وہ محبت جو سچ ہے اور وہ سچ جو محبت ہے اور یہی محبت اور سچ وہ بانٹتا پھرتا ہے۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

استفادہ ہے تو سہی

جواد

تیرہ شبی میں بے سمت چلتے چلتے اک ایسا خوف طاری ہوا کہ کسی کو دوست کہتا تو کانپ جاتا کسی دریچے میں کوئی چہرہ روشن نہ ہوا۔ میری آنکھوں میں دھواں سا بھر گیا، جسم سفر کی بلا تھکن سے ٹوٹتا تھا سفر کا موڑ ہی ایسا تھا وہ کیا علاقہ تھا کہ پل پل عذاب تھا اور ٹوٹنے کے ڈر میں تھا۔ اُداسی کے مارے اماں میں اندھی گھپاوں کی لمبی مسافت پر برہنہ چلا گہرے سناٹے میں ہولے ہولے گہری اُداسی سر اپنا ہوا کے شانوں پر رکھ کے کچھ بیتے زمانے یاد کرتی مجھے برباد کرتی بہت سے بے حال کرتی اور گردِ روز وشب نے خال وخد سب چھپا ڈالے، بچھا ڈالے، مٹا ڈالے تھے۔ میں شکستہ دل سراپا یاس تھا چپ ہو گیا تھا چارسو نابودہی کی حکمرانی بال بکھرائے ہوئے دل آنگن میں بین کرتی تھی۔ چیختے چلاتے موسموں کے عذاب نے بصارتوں کو بے نور کر دیا تھا۔ بہت پھول تھے باہر لیکن اندر اک ویرانہ تھا جیسے دشت کے اندھے سفر میں کسی اَن ہونی کا ڈر، کالی بلاؤں کا سایا چاروں جانب جبڑے کھولے جبر کے موسم کا پیغام سناتا تھا اور میں خواب جزیروں کی جستجو کرتے کرتے نیند میں دیر تک چلا کرتا، وہ منظر بھی عجیب منظر تھا کتنے مانوس جزیروں سے گذر جاتا اور نام کی تصویر دکھا گیا جب میری شاموں کے اک شناسا دن کہ جب کیپ کے جزیرے میں ستمبر کا مینہ برستا ہے اور بیتے رنگ بولنے لگتے ہیں۔ ہاں ستمبر عام سا دن--- سانس کے پاؤں میں گھنگرو ایک نعرہ۔۔۔ تنانا ہو۔ یا ہو۔۔ بلند کرتے تھے۔ تب سے مضطرب لمحوں کو انگلوں سے باندھنا شروع کیا وہ دو آنکھیں ہمراہ چلیں تو خود سے دوستی

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

ہوئی۔ پھر تپتا رستہ بھی ٹھنڈا سایا ہو گیا۔ وہ اک ابر کہ اک نور کہ اک شعر کہ اک سوچ کہ اک تارا کہ اک نظم یا اک چھاوں یا اک شخص کہ جس کے میں سمجھانا اشارے نہ کنائے۔ وہ آنکھیں ہاں وہی آنکھیں جو ہر تقریب کا سنگھار ہوتی ہیں۔ وہ آنکھیں جس طرف اٹھیں وہاں پر دیر تک پھر خوشبوؤں کے میلے لگتے ہیں۔ سب بے قرار آنکھوں کا مرکز بہت ہی بولتی جادو بھری' گہرے سمندر کی طرح نیلگوں آنکھیں جن سے روشنی لیتا رہا ہوں۔ فقط انہیں آنکھوں کے کمال کے خمار میں مست رہتا ہوں۔ اُن آنکھوں کو کون سمجھے۔ ان کا بھتر ایک بجھارت جو بوجھے سو پائے۔ شفق کی سرخیاں گالوں میں' کھنکتے لفظوں کے سکے بزم میں بکھیرتی آواز گاہے یہ آواز میری انگلی پکڑ کر انجانے رستوں کی جانب چل پڑتی ہے تب میں دیر تک اسے ہر رات پڑھتا رہتا ہوں۔ میں نے سے دیکھا بہت ہے جان اور پہچان کے سارے حوالوں سے وہ اک سچا شاعر ہے پیارے پیارے چہرے اس کی غزل ہیں جسے سند جیسے موہن پورن ماشی رہن اور اب تو ایک مدت سے اسیر زلفِ معطر ہوں۔ اس نے دل کو چین بھی صبر بھی قرار بھی دیا جیسے چپکے سے کوئی لوری سنائے پھر یوں تھا کہ چاک پہ تھا اور اُسی کوزہ گر کے دست ہنر میں تھا۔

اس نے محبتوں کے مراحل کے سارے باب صداقتوں کے سفر کی ساری کہانی سنا ڈالی اور مجھے ایک ہجرت پر مجبور کیا۔ تبھی سے آج تلک میرے لہو میں اُسی نام سے روانی ہے اور لب پر ایک ہی کہانی ہے۔ کسی کے ہاتھ پہ اب میں کیسے بیعت کروں مجھ پر تو پیار کا صحیفہ اُسی کے طفیل کب کا اُترا ہوا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یقین سے بات کرتا ہوں مگر اُسی سخاوت کے دریا سے استفادہ ہے تو سہی۔ میں اُس سخی کو بھلا کیا کہوں کہ جس کی وجہ سے مجھے دیارِ سخن میں اعتبار ملا۔ سچ کہتا ہوں اُس کا چہرہ سوچ نہ لوں یا اُسکی جادوئی مسکانیں جب تک اوڑھ نہ لوں' افسانے مجھ سے روٹھے رہتے ہیں۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

شگفتہ سا وہ اک چہرہ جس کی آنکھ کی جنبش سے جیسے سب ستارے، پھول، کلیاں اور جگنو
سانس لیتے ہیں۔ اُس کے ہونٹوں پر دیئے ہر وقت مسکان کے جلتے ہیں اور ہر طرف اک
روشنی سی پھیل جاتی ہے۔ وہ موہنا چہرہ علامت تازگی کی حسن کا اک استعارہ بہت ویران اور
اجڑے دلوں کا جو سہارا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے اُس کے حلقے سے نکلوں گا تو خود سے
روٹھ جاؤں گا۔ اسی لیے میرے سارے موسم اُسی کی آب و ہوا میں سانس لیتے ہیں اس
کے ہونٹوں پر میرے نام کا جب اک پھول کھلتا ہے تو مجھ کو یقین ہو جاتا ہے کہ میرا ہونا
ضروری ہے۔ زیست اپنی اور حکم اس کا ہوا سی کے اختیار میں رہنا۔ پہروں فون پر اُسے
رابطہ کرنا، لاکھ ادھر ادھر بھٹکوں لیکن دل اس کے مدار میں رہنا چاہتا ہے۔ ادھورے کام تو
بہت تھے مگر ایک ایسا تھا کہ اس کی ایک کتاب ہو جاتی۔ کسی کے عکس سے معمور حروفِ
بیاض کہ جس کا انتساب بھی اس نے اسی کے نام کر دیا۔ غلام گردیش بھر گئیں مداحوں سے
۔ عجیب اک رونقِ بازار تھا، ہنگامہ تھا عالم تمام حلقہ دامِ صدا تھا۔ شامیں فریب دیتی ہیں
۔۔۔ شامیں فریب دیتی ہیں۔ اور پھر میرا اُس کتاب پر تبصرہ تو اک خواب کی صورت تھا،
خواب بھی جو بار بار دیکھا تھا۔ بس یوں ہے میں تو شاید پچھلی قطار میں ہی رہ جاتا مگر اس
نے حرفِ محبت عطا کر دیئے ہیں میری جادو بھری تحریر بھی اس کی ہے۔ اُسی کے دام سے
نام پشاور کا پھر زندہ ہوا ہے وہ شہر پشاور سے جدا نہیں ہونا چاہتا اور جہاں جاتا ہے گاؤں بھی
اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وطن کے نام یہی وہ ساری محبتیں رکھتا ہے۔ وہ بھی زندہ باد
رہے۔ یہ بھی شاد رہے، آباد رہے۔ اس کے ہی دم سے ہیں رونقیں ساری میں نے تو
صرف اتنا ہی ابھی کہا تھا اور لوگ پکار اٹھے یہ تذکرہ جس کا ہے۔ ہم جانتے ہیں ناصر علی سید
ہے یہ!!!۔۔۔۔۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

''شامیں فریب دیتی ہیں''

بشریٰ فرخ

شاعری کسی بھی صاحب فکر کی ذہنی اور علمی تگ و تاز کی علامت ہوتی ہے۔ شاعری باطن کے رویوں سے ابھرتی، خونِ جگر کا خراج لیتی، قلبی واردات کو اپنے دامن میں سموتی، مشاہداتی تب و تاب سے نئی زندگی لیتی حوادثِ زمانہ کے افق سے طلوع ہوتی ہے۔ اچھا اور بلند پایہ شعر تخلیق کرتے ہوئے شاعر کو کئی بار مر مر کے جینا پڑتا ہے۔ سچائی کی صلیب پر مصلوب ہونا پڑتا ہے۔ گل و لالہ کی نکہت باری سے لے کر دار و رسن کی آزمائش تک کو اپنے اسلوب اور طرزِ بیان کی زینت بنانا پڑتا ہے۔

پھول کا تعارف اس کی خوشبو اور شاعر کی حیثیت کا تعین اس کے کلام کی جدت و ندرت سے ہوتا ہے۔ خوشبو در و دیوار پھاند کر اہلِ نظر کے مشامِ جاں کو مضطرب کرتی ہے اور فکر انگیز شاعری اصحابِ سخن کے اذہان و قلوب میں جگہ بنا کر اپنا تعارف آپ کرواتی ہے

زندگی کا حقیقی تجربہ اور مشاہدہ جب شعور سے شعر میں آتا ہے تو زیادہ تر لکھنے والوں کا اسلوب تاثیر سے محروم ہوتا ہے۔ مگر ناصر علی سید ان اہل قلم میں سے ہیں جنہوں نے اپنے گرد و پیش کے دیکھے اور ان دیکھے رنگوں کو یوں شعر میں ڈھالا کہ ان کی چمک دمک بڑھا دی ہے۔ فن سے بے لوث وابستگی نے اس کے شعر کو ایک نئی کشش عطا کی ہے اسی لئے وہ اپنے انداز اور اسلوب سے اپنی انفرادیت برقرار رکھے ہوئے ہے۔

دراصل ناصر کے اندر جو شاعر موجود ہے اس کی کمٹ منٹ بہت سچی ہے اسی لئے اس کی شاعری میں امکان کے وہ اچھوتے در وا ہوتے ہیں جو پڑھنے کے بعد بھی کافی دیر تک

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

قاری کو اپنے حصار میں لئے رکھتے ہیں۔ ناصر کی شاعری میں زبان و بیان کی مہارت کے ساتھ ساتھ وہ تمام خصوصیات ملتی ہیں جو فکری سفر کو دامن کش دل و نظر بنا دیتی ہیں۔ احساس کا خلوص رومانویت کی چاشنی، روایات کی پاسداری معاشرتی ناانصافیاں، سماج کی فرسودہ رسومات اور غمِ جاناں کے ساتھ ساتھ غمِ دوراں زندگی کے تمام خدوخال اپنی تمام تر خوبصورتیوں کے ساتھ نمایاں ہیں۔ روانی، سادگی اور پرکاری سے یوں لگتا ہے کہ شاعر الفاظ کی روح میں اتر گیا ہے۔ ناصر کے اندر جو شاعر رہتا ہے وہ ایک ایسا محبِ وطن شہری ہے جو ہمہ وقت اندیشوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کی نظمیں کراچی اور محفوظ کل کے لیے ایک دعا اس کے ان جذبوں کا مظہر ہے جو وہ اپنے ملک کے لیے اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے دل میں رکھتا ہے۔ نئے سال کی آمد بھی اس کو اندیشوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

گذشتہ سال کیا پایا تھا ہم نے
نئے اس سال ہم کیا کھو رہے ہیں

اور اس کے ساتھ ساتھ بے بسی کا جذبہ بھی پوری شدت سے باہر آتا ہے

میں کہ شرمندہ ہوں اپنے سامنے مجرم ہوں یوں
اس چمن کو لٹتے دیکھا میں نے اور میں چپ رہا

ناصر کو گاؤں سے شہر میں آباد ہوئے ایک عمر بیت گئی لیکن اب بھی جب اسے گاؤں یاد آتا ہے تو وہ ایک عجیب سے کرب سے گذرتا ہے۔

کبھی جب گاؤں کی میٹھی سی چھاؤں یاد آ جائے
عجب اک عرصہ کرب و بلا میں سانس لیتے ہیں

جب کشمیریوں پر ہونے والے مظالم اسے آبدیدہ کرتے ہیں تو وہ یوں چیخ اٹھتا ہے۔ چلو اٹھو کہ اپنے فیصلے خود آپ کرنے کی گھڑی آئی ہمیں اب نیل کے ساحل سے لے کر

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

تا بخاک کا شغر یکجان ہونا ہے۔ اذیت کے سفر میں راستوں کو خون سے قندیل کرنا ہے۔
ہمیں جغرافیہ تبدیل کرتا ہے۔

انسان کی اصل منزل عشق حقیقی ہے لیکن کہتے ہیں کہ عشقِ حقیقی کے لئے عشقِ مجازی ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسان کامل نہیں ہوتا۔ ناصر کو پڑھنے کے بعد یوں لگتا ہے کہ ناصر کے اندر بھی ایک ایسا عاشق رہتا ہے جو اپنی پہلی جیت کبھی نہیں بھولتا۔

پھر ٹپکتا ہے ان آنکھوں میں لہو رات گئے
میری سوچوں میں جو در آتا ہے تو رات گئے
کس طرح جلتا ہے یادوں کے الاؤ میں یوں
تو بھی ٹک دیکھ ادھر آ کے کبھو رات گئے
یاد ہے پہلی محبت کی پرستش ناصر
جب کہ کرتا تھا میں اشکوں سے وضو رات گئے
جس ریت پہ مل جل کے بنایا تھا گھروندہ
سچ بات وہ دریا کا کنارہ نہیں بھولے

زندگی تو ہم سب گذارتے ہیں لیکن زندگی گزارنے کا ڈھنگ آتے آتے ہی آتا ہے۔ زندگی کے ایک ایک لمحے میں اتر کر اس کا رس چوسنا اور اسے محسوس کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے ہاں صرف ایک حساس شاعر ہی ایسا کر سکتا ہے اور ناصر نے بھی زندگی کے ہر رویے کا مشاہدہ اس کے لمحے لمحے میں اتر کیا ہے۔

کتنی مجبوریوں میں زندہ ہیں ۔ کس قدر حوصلہ ہمارا ہے
چین ہی چین لکھتا ہے راوی جانے کس دیس کا یہ قصہ ہے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

انسان کا احساس انجان لیکن اونچی جگہ سے زندگی کے واقعات و حادثات کے پتھروں پر بیتا ہو اور ان سے ٹکراتا ہوا آبشار ہے ناصر کے ذہن میں ابھرنے والا ہر احساس بھی آبشار کے دھاروں کی صورت قلب میں شعری شکل میں ڈھلتا رہا

اگر آپ ناصر کی شاعری کو حالات و واقعات کے تناظر میں دیکھیں تو اس میں آپ کو اپنے دل کی آواز محسوس ہوتی ہے۔

دل آنکھیں اور پتھر سائیں اب ہیں ایک برابر سائیں
باہر پھول بہت ہیں لیکن ویرانہ ہے اندر سائیں
دھوپ آندھی بارش کی زد میں شہر میں اک میرا گھر سائیں

ارسطو شعراء کو محض اس لئے پسند کرتا ہے کہ ان میں تخلیق کی قوت ہوتی ہے جو اللہ کی صفات میں سے ایک ہے۔ علامہ اقبال بھی قوتِ تخلیق کے بڑے مداح ہیں۔ وہ شعراء کو ہمیشہ قوتِ تخلیق و تجدید پیدا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں اور ان میں نت نئے خیالات پیدا کرنے کا شوق ابھارتے ہیں۔

ہر لمحہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

اور ناصر کے لیے بھی ہماری یہی دعا ہے کہ ان کا مرحلۂ شوق آگے اور آگے بڑھتا رہے اور قوتِ تخیل کی پرواز بلند تر ہوتی رہے۔

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

شامیں فریب دیتی ہیں

مشتاق شباب

انفرادیت اس کا خاصہ ہے۔اس بات کا احساس اس کے ہر ملنے والے کو اُس وقت ہوتا ہے جب وہ اس سے مسلسل ملاقاتیں کر کے اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کرتا ہے۔ویسے بھی حساس لوگوں کو خاص طور پر شاعروں ادیبوں اور فنکاروں کو انفرادیت کا یہ ''مرض'' لاحق ہوتا ہے۔مگر اسے تو بری طرح لاحق ہے جبھی وہ اپنے ہر انداز سے منفرد دکھائی دیتا ہے۔اٹھنے بیٹھنے سے لے کر بحث کرنے تک زندگی کے کسی بھی لمحے میں اس کی شخصیت کا نمایاں پہلو یہی انفرادیت ہی تو ہے۔ادبی محفلوں میں بحث کے دوران وہ بالکل نئے زاویوں کو جانے کہاں سے نکال کر کسی بھی ادب پارے پر گفتگو کو ایک منفرد اسلوب کے ساتھ سامنے لے آتا ہے۔اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی شریک بحث دوستوں کو اپنی اپنی فکر سے رجوع کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔یہی دیکھ لیں کہ کتابیں تو ہر کوئی چھپوا لیتا ہے مگر کتاب چھپواتے ہوئے بھی اگر انفرادیت کا مظاہرہ کیا جائے تب آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بقول سیف الدین سیف

سیف انداز بیاں بات بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

اچھا کاغذ، اچھی چھپائی، معیاری جلد بندی کوئی نئی بات تو نہیں۔اکثر بہت نفیس کتابیں طباعت سے آراستہ ہو کر سامنے آتی ہیں جنہیں ہاتھ میں اُٹھاتے ہی آپ پر ایک خاص تاثر چھا جاتا ہے۔اسی طرح ناصر علی سید نے اپنے مجموعہ کلام ''شامیں فریب دیتی ہیں''

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

کی طباعت میں جہاں نفاست کا التزام رکھا ہے اور معیاری طباعت کے ساتھ اعلیٰ درجے کا کاغذ اور خوبصورت جلد بندی کا اہتمام کیا وہیں صفحات کے نمبر اردو ہجے میں لکھوا کر یعنی ایک، دو، تین سے لے کر آخر صفحے ایک سو اٹھانوے تک ہندسہ کہیں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کتاب کے فلیپ پر جن دوستوں کی آرا کو شامل کیا ہے ان میں بھی اردو کو دائیں جانب اور انگریزی میں لکھی گئی آرا کو فلیپ کے آخری حصے میں رکھا گیا ہے۔ یعنی یہاں بھی اردو اور انگریزی طرز تحریر کو پیش نظر رکھا ہے جبکہ عنوانات کی جلی سرخیاں بھی کمپیوٹر سے برآمد کرنے کے بجائے خطاطی کے قدیم مروجہ طریق کار کے مطابق سعید پارس سے تیار کروائیں جو پارس کے حسن فن کا کرشمہ ہیں اور یقیناً ایک منفرد سوچ پر مبنی ہیں وگرنہ عام طور پر کسی بھی کتاب کو کمپیوٹر کے ذریعے کمپوز کراتے ہوئے سرخیاں بھی ساتھ ہی کمپوز کروالی جاتی ہیں۔ ناصر علی سید نے اپنے ادبی سفر کا آغاز ستر کی دہائی کے اواخر اور اسی کی دہائی کے ابتدائی دور میں کیا تب سے اب تک وہ ادب و شعر کی تخلیق کا کشٹ کھینچ رہے ہیں اس دور کے ادبی منظر نامے پر اور بھی کئی ایسے ادیب اور شاعر ابھر کر سامنے آئے جن میں یوسف عزیز زاہد، عزیز اعجاز، نذیر تبسم، ڈاکٹر صابر کلوروی، ڈاکٹر قاضی فصیح الدین اور دیگر کئی دوست شامل ہیں۔ اور آج یہ سب معتبر شناخت رکھتے ہیں۔ ان تمام اہل قلم کی تربیت میں جہاں ینگ تھنکرز فورم، رائٹرز ایکویٹی اور حلقہ ارباب ذوق کا بہت بڑا کردار ہے، وہیں بزرگ اہل قلم فارغ بخاری، خاطر غزنوی، رضا ہمدانی، شوکت واسطی، یوسف رجا چشتی، محسن احسان، مظفر علی سید اور دیگر کئی ادیب اپنے سفر کو آسان بناتے رہے۔ ''شامیں فریب دیتی ہیں'' میں ناصر علی سید کے ادبی خاص طور پر شاعری کے سفر کو قدم قدم آگے بڑھتا اور نکھرتا ہوا محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر خاطر غزنوی نے ناصر کی شاعری کو داخلیت اور خارجیت کا

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

ایک خوبصورت امتزاج قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ اپنی شاعری میں حسن کا ایک مخصوص نظریہ لیے ہوئے ہیں۔ وہ محض لفظوں کا سہارا نہیں لیتے بلکہ لفظوں میں تخیل کی روح بھی شامل کر دیتے ہیں

حسن کے اونچے سنگھاسن پر گوری تیرا روپ
تو صبح کی شیتل چھایا تو جاڑے کی دھوپ

پروفیسر محسن احسان کے مطابق ناصر علی سید کی غزل اس کی جدید حسیات کا کرشمہ ہے۔ یوسف رجا چشتی مرحوم نے ناصر علی سید کو ایک الگ انداز سے پرکھتے ہوئے کہا کہ

نکتہ داں نکتہ طراز و نکتہ سنج و نکتہ فہم
شان بزم و جان بزم و روح بزم و مرد بزم

جبکہ پروفیسر طٰہٰ خان نے اپنے ایک قطعہ میں ناصر علی سید کو بندہء تاخیر قرار دیا ہے کیونکہ ناصر علی سید کی یہ انفرادیت بھی ہے کہ وہ ادبی محفلوں میں اتنی تاخیر سے پہنچتے ہیں کہ خود لفظ تاخیر کو بھی خود پر رحم آ جاتا ہے

عرصہء محشر میں آیا ہے یہ بندہ سب کے بعد
خو گرِ تاخیر ہے گو عالم جید ہے یہ
اک صدا آئی اسے دنیا میں واپس بھیج دو
ہم سمجھتے ہیں اسے ناصر علی سید ہے یہ

سجاد بابر نے اسے ایک خود آگاہ شاعر قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ایک ہمہ جہت شخصیت ہے اور ہر پہلو سے وہ بھرپور طور پر عمل پذیر رہتا ہے یہی جہتیں اس کی محبتیں ہیں جنہیں وہ آباد بھی دیکھنا چاہتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ناصر کی شخصیت کی اتنی پرتیں ہیں بالکل اس کی شاعری کی طرح کہ جنہیں ایک ایک کر کے کھولتے جایئے اور پھر معنی

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

کے نت نئے در وا ہوتے جائیں گے

کون نادم محبتوں پہ ہوا
پھر بھی اک اضطراب تھا کل شب

فلک پر ہوں تو مجھ پر طنز مت کر
زمیں تیرا ستارہ ڈھونڈتا ہوں

ہوئے تھے چھلنی تو کیو پڈ کے تیر سے دونوں
مگر یہ کیا کہ ہوا مجھ پہ ہی اثر تنہا

فلک پر مشورے پھر ہو رہے ہیں
زمیں زادے مزے سے سو رہے ہیں

دکھاتا دور سے ہے دودھ کی اور شہد کی نہریں
مگر ان تک پہنچنے کے کبھی ویزے نہیں دیتا

ناصر کی شاعری میں جہاں کرب ذات کی تفسیریں ہیں وہیں معاشرتی المیوں کی برہنہ سچائیاں بھی قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں

بھیک جب مانگنے نکلوں گا تو در کتنے ہیں
پوچھ کاہن سے نئے سال سفر کتنے ہیں

جب ملے جنگ سے فرصت تو ذرا گن آ کر
فاختاؤں کے یہ جھلسے ہوئے پر کتنے ہیں

ہم جس معاشرے میں زندہ ہیں اس میں منافقت اور ریا کاری ذاتی خود غرضیوں اور حرص و ہوس کے نظارے روز ہماری آنکھوں میں کانٹوں کی طرح چبھتے ہیں مگر ان سب پر جھوٹ کا ملمع کر کے جس طرح ہمیں ہضم کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے وہ ایک ایسا المیہ ہے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

جس پر ہر حساس ذہن نوحہ کناں ہے

آنے والی نسل پر احسان ناصر یہ کیا
سچ بزرگوں سے نہ پایا لیکن ان کو دے دیا

ناصر نے پشتو کی صنف ٹپوں کو بھی اردو کا جامہ پہنا کر ایک نئی جہت سے آشنا کیا ہے اور آزاد نظم کو بھی ایک خاص انداز سے برتا ہے۔ اگرچہ اپنے بارے میں وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ''لمحے ہوں چہرے ہوں یا محبتیں مجھے انہیں سنبھالنے کا قطعاً سلیقہ نہیں ہے'' مگر ان کے سبھی دوست جانتے ہیں کہ وہ ان تینوں معاملات میں مالا مال ہیں اور انہوں نے اتنی محبتیں سمیٹی ہیں جو دوسروں کے حصے میں کم ہی آتی ہیں

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

صاحبِ دربار شاعر

ڈاکٹر عنایت اللہ فیضی

وہ پشاور کا صاحب دربار شاعر ہے۔ اگر چہ اس کے تصرف میں نصیر گولڑوی کی طرح کا عرس والا دربار نہیں مگر احباب اسے دربار والا شاعر مانتے ہیں۔ وہ جہاں بیٹھتا ہے وہیں دربار لگ جاتا ہے۔ اس کی شخصیت میں عجیب کشش اور اس کی مسکراہٹ میں بلا کا جادو ہے جو اس کو دربار والا بنا دیتا ہے۔

ایک انہونی کا ڈر ہے اور میں
دشت کا اندھا سفر ہے اور میں
حسرت تعمیر پوری ہو گئی
حسرتوں کا اک نگر ہے اور میں
جب سے اک دیوار آنگن میں اٹھی
اس حویلی کا کھنڈر ہے اور میں

غزل کے اشعار میں حالات حاضرہ کی ایسی تصویر کھینچنے والا شاعر ناصر علی سید ہے اور یہ اشعار ہم نے ان کے مجموعہ کلام ''شامیں فریب دیتی ہیں'' سے لئے ہیں۔ ناصر علی سید سرحد کے بے شمار شعراء کی طرح پختون ہے۔ پختونوں کے ہاں پیدا ہوا۔ پلا بڑھا اور اردو ادب میں نام پیدا کیا۔ پروین شاکر اور جون ایلیا کی تخلیقات منظر عام پر آنے کے ساتھ سرحد سے محسن احسان، مقبول عامر اور غلام محمد قاصر کی شاعری کے خوبصورت نمونے سامنے آئے تو ادبی حلقوں میں سرحد کی لاج رہی۔ اب ناصر علی سید کے مجموعہ کلام نے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

سرحد کے نام کا جھنڈا گاڑ دیا ہے قابل ذکر بات یہ ہے کہ پختونوں نے ایک اور شاعر توانا اسلوب اور منفرد لہجے کے ساتھ اردو ادب کے حلقوں میں متعارف کرایا ہے۔ خیال آفرینی، نکتہ سنجی، اسلوب اور لہجے کے لحاظ سے ایک اور قادرالکلام شاعر اردو دنیا کو دیا ہے۔ اب اس پر بحث نہیں ہوگی کہ سرحد کے شعراء میں ناصر علی سید کا کیا مقام ہے بلکہ اس پر بحثیں ہوں گی کہ برصغیر پاک و ہند کے اردو شعراء میں ناصر علی سید کے مقام کا تعین کیسے ہو۔ اردو ادب میں پختونوں کے حصے پر بات کیسے ہو! ''شامیں فریب دیتی ہیں'' حال ہی میں منظر عام پر آئی ہے۔ نظموں میں نئی بات یہ ہے کہ انھوں نے پشتو ٹپے کی صنف کو اردو میں متعارف کروایا ہے

مجھے بے حال کر دیا ہے
یہ تیری یاد مجھے اس طرح رلائے
سہیلی تیری اک پہیلی

جو بھیگی پلکوں سے قصے ترے سنائے
میرے ٹپوں میں چھپ کے بیٹھی
بڑے ہنر سے مجھے مجھ سے ہی چرائے

نظموں میں ہائیکو بھی ہے۔ جاپانی شاعری کی اس صنف کو اردو میں متعارف ہوئے عرصہ گزرا ہے۔ ناصر علی سید نے اس میں بھی نیا لہجہ اختیار کیا۔ مثلاً

پیاسی آنکھوں میں
اک بوند نہیں پانی کی
سپنے سوکھے ہیں

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

اسی طرح ہر نظم اپنے اندر معانی کا سمندر رکھتی ہے۔ایک نظم کا عنوان ہے ''محفوظ کل کیلئے ایک دعا'' اس نظم پر جون ایلیا کی نظم ''درخت زرد'' کا گماں تو نہیں ہوتا مگر اس جیسا تاثر ضرور ابھرتا ہے۔ جون نے بھی ماضی اور حال کے کرب کو محسوس کر کے ''زریون'' کیلئے محفوظ مستقبل کی دعا دی ہے۔ ناصر علی سید نے بھی ماضی اور حال کے کرب کو محسوس کر کے محفوظ مستقبل کے سپنے دیکھے ہیں ۔ زریون کی جگہ یہاں شاعر کا اشارہ اپنے وطن کی طرف ہے۔ دعا کا اختتام یہاں ہوتا ہے

یہ گھر معتبر بھی ہے اور مستند بھی
کہ ہیں اس کی دہلیز پر سر جھکائے ۔۔۔ازل بھی ابد بھی
تو اے اس کے اجلے سویرو، سہانی سی شاموں کے مالک
مجھے وہ ہنر دے
کہ میں اپنے گھر کے مکینوں کی آنکھوں کو وہ روشنی دوں
کہ جس سے وہ اپنے ہر اک دکھ کو سکھ میں بدل دیں
کہ وہ بے کل و مضمحل آج کو
ایک مضبوط اور محفوظ کل دیں

پاکستان کی طرح پشاور بھی ناصر علی سید کے سپنوں میں بستا ہے۔ایک شعر جو فرد ہے!

راستے رزقِ کشادہ کے بہت ہیں ناصر
کوئی اس شہر پشاور سے جدا کیسے ہو

ناصر علی سید کی شاعری کا اصل جو ہر غزل میں کھلتا ہے۔نئی زمینوں میں اچھوتے اور انوکھے ردیف قافیوں کے ساتھ ہر غزل ایک نئی دنیا قاری کے سامنے رکھتی ہے۔اور ہر شعر ایک نئے جہاں کا پتہ دیتا ہے

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

تیرے ہونٹوں پہ میرے نام کا ایک پھول کھل جائے
تو مجھ کو بھی یقیں آئے میرا ہونا ضروری ہے
بہت نفرت کی فصلیں کاٹ لیں برباد ہو بیٹھے
محبت کا دلوں میں بیج اب بونا ضروری ہے
میں دشمنوں کے ستم حرف حرف کہہ دوں گا
مگر وہ کیسے کہوں دکھ جو بھائی دیتے ہیں
سب دانش و پندار جہاں ہوتے ہیں نیلام
اس سمت لئے قافلہ سالار گیا ہے
کس برتے پر امید رکھوں اس سے وفا کی
دستار کو جو بیچ کے دربار گیا ہے

بعض خیالات پرانے ہیں مگر انداز نیا ہے مثلاً غالب کہتا ہے

چند تصویر بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

ناصر علی سید نے اس خیال کو بالکل نئے انداز سے لیا ہے۔ اسلوب بھی نیا ہے

بعد میں نکلی ہے جاں اس جسد خاکی سے
چند تصویر بتاں نکلی ہیں گھر سے پہلے

وہ کہتا ہے

سحر ہونے سے پہلے دار پر کھینچ جانا ہے ناصر
کہ ہونا جرم ہے اور اس سزا میں سانس لیتے ہیں

www.caarwan.com Scanned with CamScanner

ایک غزل ایسی بھی ہے جس میں شاعر کا محبوب ''عالمگیریت'' اختیار کر جاتا ہے۔اس غزل کا ہر شعر بیت الغزل ہے۔ یہ وہ غزل ہے جو باڑہ گلی میں عالمگیریت اور ادب کے حوالے سے 2005ء میں ہونے والے ایک سیمینار میں انھوں نے پیش کی۔ جہاں ایک نشست مشاعرے کی تھی اور اس مشاعرے میں آپ نے جو غزل سنائی اُس کو اس سیمینار اور مشاعرے کا حاصل قرار دیا گیا۔ جس کے چند اشعار یہ ہیں

دکھاتا دور سے ہے دُودھ کی اور شہد کی نہریں
مگر ان تک پہنچنے کے کبھی ویزے نہیں دیتا
عجب اک زعم ہے اس کو زمینوں پر خدائی کا
مری بستی میں مجھ کو پھولنے پھلنے نہیں دیتا
میرا رزق کشادہ تنگ کر دیتا ہے وہ پل میں
خلاف اپنے ہوا تک کو بھی جو چلنے نہیں دیتا
کسی کو دوست کہتا ہے تو وہ بھی کانپ جاتا ہے
کہ منزل تو دکھاتا ہے مگر رستہ نہیں دیتا

یہ ایسا مجموعہ کلام ہے جس کے شعروں کا انتخاب بہت مشکل ہے کہ ہر شعر ہی منتخب ہے۔ کتاب کا تعارف نامہ ڈاکٹر خاطر غزنوی، سجاد بابر اور یوسف رجا چشتی نے لکھا ہے۔ فلیپ پر محسن احسان، حسام حر، عتیق احمد صدیقی اور افضل حسین بخاری کے دلچسپ تبصرے ہیں۔ کتاب کی ہر چیز نئی ہے۔ یہاں تک کہ فہرست مضامین پر نظر دوڑائیں تو آپ کو صفحہ نمبر پہلے اور مضمون بعد میں نظر آتا ہے اگر کوئی چیز پرانی ہے تو شاعر کی تصویر ہے۔ جو ایک عرصہ سے ''مقابل ہے آئینہ'' پر لگی ہوئی ہے۔ جو ان کے کالموں کا لوگو ہے۔ اور یہ کالم روزنامہ آج پشاور میں شائع ہوتے ہیں۔ شاعر یہاں بھی ''انگشت حیرت دردہاں'' قسم

کی کیفیت میں نظر آتا ہے۔ وہ جب اکوڑہ خٹک سے پشاور آئے تو دبلے پتلے سے نوجوان تھے۔ اب ان کا طول و عرض تقریباً برابر ہے موٹے ہوئے مگر توند نہیں نکلی۔ بزرگی کی منزل کو چھولیا مگر بچپنا اب بھی رخصت نہیں ہوا۔ بالوں میں سفیدی آ گئی لیکن سر تا سر گنجے نہیں ہوئے۔ پڑھائی بہت کی مگر نظر کی عینک کے محتاج ہونے سے بال بال بچ گئے۔ وہ بچوں کو نصیحت کر رہے ہوں۔ تب بھی کوئی لطیفہ سنا کر اس میں سے نصیحت کا پہلو نکالتے ہیں۔ فضائل رمضان پر گفتگو کر رہے ہوں تب بھی لطیفہ سنا کر اس میں سے رمضان المبارک کے فضائل کا کوئی پہلو نکالتے ہیں۔ میں حیران ہوں وہ کسی سے تعزیت کس طرح کرتے ہوں گے۔ مجھے یقین ہے ان کے پاس رُلانے کے لیے بھی کوئی لطیفہ ہوگا۔ 1976ء میں ان کے ساتھ میری پہلی ملاقات ڈگری گارڈن کے ایک دفتر میں ہوئی یہ بارڈر پبلسٹی آرگنائزیشن کا دفتر تھا۔ اکوڑہ خٹک کے قریب شیدو گاؤں کے عالمزیب خٹک جو پشتو کے اچھے شاعر ہیں ''جمہور اسلام'' کے ایڈیٹر تھے۔ ناصر علی سید کی تقرری کاروان کے ایڈیٹر کے طور پر ہوئی۔ یہ بھی پشتو کا رسالہ تھا ابھی دفتر میں بیٹھے ہی تھے کہ کسی صاحب کا فون آیا۔ اور فون کرنے والے نے ناصر علی سید کے بارے میں پوچھا عالمزیب خٹک نے فون ناصر علی سید کو دیا۔ پہلے آپ نے ہنسی کے ساتھ بات شروع کی۔ جو ظاہر ہے پشتو، ہندکو اور اردو میں ایک جیسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اردو میں آپ نے جو باتیں کہیں۔ اُن باتوں نے ہمیں چونکا دیا۔ دوسری طرف سے جانے کیا کچھ کہا جا رہا تھا۔ اس جانب سے ناصر علی سید کہہ رہے تھے۔ ''شب مہتاب؟ یہ آپ نے کیا کہا؟ ہمارے نصیبوں میں تو شب دیجور ہی لکھی ہے''۔ پھر کہنے لگے ''چلو مان لیتے ہیں ''شب مہتاب'' ہوگی اور منگل کی شب کو ہوگی۔ مگر کہاں؟'' پھر کہنے لگے ''چلو یہ بھی مان لیتے ہیں کہ شب مہتاب بھی وہیں ہوگی جہاں ہم نے ''روزِ ابر'' منایا تھا لیکن یہ تو کہو کہ

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

مظفر علی سید ہوں گے یا نہیں؟''۔ پھر کہنے لگے ''چلو یہ مژدہ بھی قبول ہے۔ احمد فراز آئیں گے یا نہیں۔ چلو یہ خوشخبری بجا مگر شرر نعمانی کو بلایا ہے یا نہیں؟''۔ پھر کہنے لگے'' اچھا اب یہ بھی کوئی بات ہے کہ شرر نعمانی سے بات کئے بغیر آپ مجھے بلا رہے ہیں؟۔ چلو ٹھیک ہے شرر نعمانی کو میں بلاتا ہوں''۔ پھر ایک بھرپور ہنسی اور خدا حافظ۔ میں نے اس گفتگو سے اندازہ لگا لیا کہ ناصر علی سید کی اڑان دہلی لکھنو اور لاہور تک ہے۔ وہ یو پی والوں کے لہجے میں اردو بول رہے تھے۔ ایک سال بعد ان کا ٹرانسفر اسلام آباد ہوا۔ یہاں ہمارا دفتر یو پی والوں کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ ناصر علی سید وہاں یونس سیٹھی کے ساتھ بھی اردو بولتے تھے۔ اور یونس سیٹھی سمیت سب لوگ ان کو یو پی کا مہاجر سمجھتے تھے۔ آپ نے یہ بھی شرارت کی کہ پشاور واپسی کا ٹکٹ لینے تک ان کو یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ میں مہاجر نہیں ہوں بلکہ لہجہ ایسا ہے کہ اپنے گھر میں باہر کا مہمان لگتا ہے میں پہلی ملاقات میں ناصر علی سید سے مرعوب ہوا تھا۔ میری وہ مرعوبیت اب تک نہیں گئی۔ اب مجھے انگریزی کے اُس محاورے کی سمجھ آ گئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ'' پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے''۔ پھر یوں ہوا کہ ہم دونوں وزارت اطلاعات کے آسمان سے گرے اور ہائیر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کے کھجور میں اٹکے۔ سپیریئر سائنس کالج پشاور میں آپ سے ملنے گیا تو آپ کو چمن میں ایک بڑے حلقے میں بیٹھا ہوا پایا۔ آپ گورنمنٹ کالج پشاور گئے تو وہاں بھی اپنا حلقہ بنا لیا۔ اس حلقے میں بیٹھنے والے چھٹی کا انتظار نہیں کرتے بلکہ وقت کی قید سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ غلام محمد قاصر مرحوم انتہائی کم آمیز کم گو اور گوشہ نشین و عزلت گزین قسم کے آدمی تھے۔ مگر آپ کے حلقے میں آ کر وہ بھی بزم آرائی پر مجبور ہو جاتے۔ مجلسی زندگی کا اتنا رسیا اور احباب کی محفل کا سب سے پرکشش ناصر علی سید جب کسی بڑی کانفرنس یا بڑے سیمینار میں بیٹھتا ہے تو 300 مندوبین کی مجلس میں لاؤڈ سپیکر

کے شور اور ٹیلی ویژن کیمروں کی چکا چوند روشنی سے بے نیاز اپنی الگ دنیا بسا لیتا ہے۔ اور افسانہ، ڈرامہ یا کالم لکھنا شروع کر دیتا ہے۔ درمیان میں تالی یا ہنسی وغیرہ کا دور چلے تو اُس میں بے اختیار شامل ہو جاتا ہے۔ باڑہ گلی کے ایک سیمینار میں ڈاکٹر ناصر جمال خٹک نے پوچھا کیا اس سیمینار کی روداد لکھنے کا کام ناصر علی سید کو دیا گیا ہے؟۔ میں نے کہا ''نہیں تو'' وہ کہنے لگے'' ناصر علی سید 3 گھنٹے کی نشست میں مسلسل لکھ رہے تھے''۔ میں نے کہا'' چوری پکڑی گئی'' بولے'' وہ کیسے''؟ طریقہ واردات کی تفصیل بتائی تو ان کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔ پھر کہنے لگے'' اتنے شور شرابے میں تخلیقی کام کیسے ہوتا ہوگا''۔ میں نے کہا ''وہ کانوں کا بٹن بند کر دیتے ہیں اور دماغ کی کھڑکی کھول دیتے ہیں''۔ کہنے لگے'' یہ بھی آسان کام نہیں''۔ میں نے کہا'' ناصر علی سید کے لئے بہت آسان ہے''۔ آپ پشاور کے باہر جہاں گئے عزت پائی اور پاکستان سے باہر جس ملک میں گئے وہاں نام کمایا اور دوست بنائے اور اپنے افسانوں کا نام تو ایسا رکھتا ہے جو بہت اچھوتا اور نادر ہوتا ہے۔ ایک تنقیدی نشست میں انہوں نے آئس پیس کے نام سے افسانہ پیش کیا تھا'' ینگ تھنکرز'' تک کئی ادبی تنظیموں کے لنگر آپ نے اٹھائے۔ لیکن کسی ادبی تنظیم کے حوالے سے کسی کی ناراضگی آپ نے کبھی مول نہیں لی۔ جو بات پسند آئی اس پر واہ واہ کی۔ جو بات پسند نہیں آئی اُس پر چُپ رہے۔ کوزے سے وہی ٹپکتا ہے جو کوزے میں ہو۔ کوزے کے ذکر سے ناصر علی سید کا شعر یاد آیا

نہ جانے اگلی گھڑی کیا سے کیا میں بن جاؤں
ابھی تو چاک پہ ہوں دست کوزہ گر میں ہوں

پشاور کی ادبی محفلوں میں ناصر علی سید کے دم سے رونق ہوتی ہے۔ جس پروگرام کی کمپیئرنگ وہ کر رہے ہوں اُس پروگرام کو چار چاند لگ جاتے ہیں مگر خود انہیں پتہ نہیں

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

ہوتا کہ میں نے کتنا اچھا پروگرام کیا ہے اور میں کتنا اہم آدمی ہوں یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔ جس روز آدمی خود کو گھنٹہ گھر بنا دیتا ہے اُسی روز اُس کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ آپ کا مجموعہ کلام ''شامیں فریب دیتی ہیں'' منظر عام پر آیا تو ایک دنیا آپ کی شاعرانہ عظمت کی قائل ہوئی اور امریکہ سے بھارت تک اس کتاب کا شہرہ بلند ہوا۔ میں نے انہیں صاحب دربار شاعر ویسے ہی نہیں لکھا۔ ناصر علی سید بہت بڑے دربار کا مالک ہے خدا اس دربار کو اور اس کی رونقوں کو پشاور کی رونقوں میں اضافے کے لیے سدا سلامت رکھے۔

''شامیں فریب دیتی ہیں''

آصف ثاقب

صوبہ سرحد کی اردو شاعری میں جب سے لے کر اب تک جتنی تنوع لہریں اٹھی ہیں ان میں ناصر علی سید کے طبعی افتاد ''شامیں فریب دیتی ہیں'' کے چھینٹے دل کو اور طرح سے بھگوتے اور نہال کرتے ہیں۔ ان کی شاعری سے چگونگی اور چہ کنم کے ''سخن اسرار'' سرا پردۂ احساس سے یوں ہویدا ہوتے ہیں کہ پڑھنے والا ''نم دیدۂ حیرانی'' ہو کر رہ جاتا ہے۔ ناصر علی سید کی شعری شدتیں اس قدر ہیں کہ ان کی رنگا رنگ انفرادیت نظم و غزل میں تو حسبِ دستور تنوع پذیر ہوتی ہی ہے وہ ہائیکو اور ٹپے میں بھی احساساتی رفعتوں کو چھو رہی ہے۔ بر سر عقیدت ان کی خود سپردگی لائق دید ہے۔ دیکھیے

بھگودے سوچ کو خوشبو سے جب ہوائے بیمار
لکھوں جو نعت تو لفظوں کو خود سجائے بہار

تغزلانہ حسنِ ادا کو جس نہج سے ناصر نے خود آرا دخود ہیں کیا ہے وہ بھی دیکھے جاننے کے لائق ہے

ہونٹوں پہ مرے دھوپ نے جب پیاس لکھی تھی
اس وقت میں دریا کے کنارے پہ کھڑا تھا

ایک ناصر' ناصر کاظمی تھا جس نے بحور سے موسیقیت کے اسباب پیدا کئے' ایک ناصر' ناصر علی سید ہے جس نے میڈیم کو Matter-of-Fact لہجوں سے بہرہ ور کیا حتیٰ کہ وہ میرے تدریسی مضمون باٹنی کو بھی خوبصورتی سے برت گئے ہیں۔

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

نہ جانے کون سا موسم مجھے ہرا کر دے
نمو کے واسطے بے تاب ہوں شجر میں ہوں

ملبوس سبز میں اسے دیکھا تھا خواب میں
اب تک نگاہ میں وہی رنگِ جمال ہے

ناصر علی سید نے نظم، ہائیکو اور ٹپے میں بطرزِ جدا شاعری کے دلپذیر شعور کے سامانوں کی جمع آوری کی ہے۔ نظموں میں موضوعات کی گونا گونی خاصی متاثر کرتی ہے۔ مثلاً ایک نظم دیکھیے جس میں انہوں نے اپنی جذباتی وابستگی کو بڑی مہارت سے تصویر کیا ہے۔ پشاور ریڈیو کے لیے ایک نظم

ایک صدا جو
کانوں میں سرگوشی کر کے
آنکھ میں حیرت بھر دیتی ہے"
گاہے سن کر ہنس دیتا ہوں
گاہے چپ ہو جاتا ہوں میں
گاہے گاہے رو پڑتا ہوں
گاہے یہ آواز پکڑ کر میری انگلی
انجانے رستوں کی جانب چل پڑتی ہے
گاہے سرشاری کے سارے بھیگے موسم
میرے آنگن لے آتی ہے
بچپن کی ہمراز ہے میری
تنہائی کو گرماتی اور سانسوں کو لہکا دیتی ہے

مجھ کو مجھ سے ملواتی ہے
اس کے دم سے نام پشاور کا ہے زندہ
یہ بھی زندہ بادر ہے
شادر ہے آبادر ہے

(72ویں سالگرہ پر)

اسی خصوصی میں ایک ہائیکو اور ایک ٹپہ پڑھیے

سچا شاعر ہے
پیارے پیارے سب چہرے

اس کی غزلیں میں
وہ اگر مجھ کو چاہتی ہے۔ تو میرا نام ہتھیلی سے کیوں مٹائے

ان کے ہاں کا جمال تنزل بھی محیط آزما ہے۔ وہ ملک کے اندر اور باہر پسند کیا جاتا ہے۔ انہوں نے غزل کے فن میں اپنی سی کر دیکھی ہے۔ اس باب میں یہ شعر!!!

فلک پر مشورے پھر ہو رہے ہیں
زمیں زادے مزے سے سو رہے ہیں

.....

کارِ دنیا کے ہر جھمیلے ہیں
ہم کو پچھلی قطار میں رہنا

☆☆☆☆

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

''شامیں فریب دیتی ہیں''

سعداللہ جان برق

یہ تو ہمیں معلوم نہیں ہے کہ شامیں فریب دیتی ہیں یا صبحیں دھوکہ باز ہوتی ہیں کیونکہ ہم نے تو آج تک ایسی کسی بھی چیز کو نہ دیکھا نہ پایا نہ سنا جو دھوکہ باز نہ ہو۔ اپنے خیال کو روک لیجئے ہم سیاست کی طرف نہیں جا رہے ہیں کیونکہ کسی کالے کو ہر وقت کالا کالا کہنا اچھا نہیں لگتا اور پھر ایسے کالے جو دل والے بھی نہیں ہوتے اس لیے دھوکہ دہی فریب دہی اور نوسر بازی صرف سیاست ہی سے مخصوص نہیں ہے اور بھی ایسے لوگ اور مقامات بلکہ اوقات بھی ہوتے ہیں جو فریب دیا کرتے ہیں جیسا کہ ناصر علی سید کے بقول ''شامیں فریب دیتی ہیں'' حالانکہ ہمارے خیال میں ناصر علی سید بھی دھوکہ دینے میں کسی شام سے کم نہیں ہیں۔ وہ آج تک ہمیں یہی دھوکہ دیتے رہے کہ وہ صرف اردو پشتو اور ہندکو کے ایک اچھے مقرر اور کمپیئر ہیں خصوصاً ادبی تقریبات کسی بھی زبان کی ہوں ناصر علی سیدان میں میزبان کمپیئر اور سٹیج سیکرٹری تینوں ہوتے ہیں۔ اردو ہندکو پشتو۔۔۔ میزبان' کمپیئر اور سٹیج سیکرٹری۔۔ گوتھری ان ون۔۔ اور ضرب تھری ان ون لیکن بات یہاں تک بھی ٹھیک تھی بہت سے لوگوں کو تین کا ہندسہ پسند ہوتا ہے سوائے طلاق کے جو خدا اور انسان دونوں کو پسند نہیں لیکن ناصر علی سید ڈبل تھری ان ون سے بھی مطمئن نہیں ہوتے اور ایک چوتھی یا ساتویں حرکت بھی کر گئے جسے نازیبا تو نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ ہم خود بھی اس ''عادت بد'' میں مبتلا ہیں لیکن کم از کم ہمارے لیے غیر متوقع ضرور ہے۔ یہ ساتویں حرکت وہ اپنے مجموعہ کلام کی صورت میں کر گئے جس کا نام ہے ''شامیں فریب دیتی ہیں''

معلوم نہیں ان کو کسی شام نے فریب دیا یا شام کے وقت کسی اور نے فریب دیا ہے لیکن مجموعہ کلام کا نام رکھتے ہوئے کسی شام کوئی دھوکہ دہی کی واردات ضرور ہوئی ہے بلکہ وارداتیں کہنا زیادہ موزوں ہے۔ لیکن ہم تو اس کتاب کو دیکھتے ہی اس نتیجے پر پہنچے کہ شامیں فریب دیتی ہوں یا نہیں لیکن ناصر علی سید نے ہمیں ضرور فریب دیا ہے بلکہ کافی عرصہ سے دے رہے ہیں ہمیں باور کراتے رہے کہ وہ صرف نثار بلکہ ''ناثر'' ہیں اور بیچ میں شاعر نکلے۔ اس پر ہمیں اس فوجی کا قصہ یاد آیا جو برما کے جنگلوں میں ایک محاذ پر اسے پیش آیا تھا۔ اسے ایک زخمی سپاہی نے بتایا کہ میری ٹانگ کٹ گئی ہے مہربانی کر کے مجھے ہسپتال پہنچا دو فوجی نے اسے پیٹھ پر لاد لیا اندھیرا جنگل اور اوپر سے بمباری بے چارا گرتا پڑتا اپنے علاقے میں پہنچا تو وہاں گارڈ نے ہالٹ کہہ کر شناخت مانگی اس نے نام نمبر وغیرہ بتایا اور کہا کہ میں اس زخمی سپاہی کو ہسپتال لے جا رہا ہوں۔ گارڈ نے ٹارچ کی روشنی میں اس پر لدے ہوئے زخمی کو دیکھا تو اس کا سر ہی موجود نہیں تھا دراصل راستے میں گرتے پڑتے اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا اور کسی بم یا توپ کے گولے نے زخمی کا سر اڑا دیا تھا۔ گارڈ بولا اس کا تو سر ہی نہیں ہے فوجی نے کہا اچھا پھر فوراً لاش کو پھینکتے ہوئے بولا یہ تو بڑا جھوٹا ہے اس نے تو کہا تھا کہ میری ٹانگ کٹی ہوئی ہے، مجھ سے یہ بات چھپائی کہ میرا سر کٹا ہوا ہے۔ ناصر علی سید بھی تقریبات میں دوسروں کے بہت زیادہ اشعار سناتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اردو شاعری کی ڈکشنری اپنے دماغ میں رکھتے تھے اور یہ بات ہم سے چھپائے رکھی کہ میں خود بھی شعر کہتا ہوں۔ اب جبکہ کتاب ہاتھ لگی اور شاعری پڑھی تو کچھ زیادہ دوشی بھی ہم انہیں نہیں ٹھہرا سکتے یہ چیز تھی ہی چھپانے کی۔ یہاں لفظ ''چھپانے'' سے آپ وہ مراد نہ لیں جو آپ کے ذہن میں آ رہا ہے بلکہ وہ مطلب اخذ کیجئے جو ہم بتانے والے ہیں اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم بھی شعر کی زبان بولیں یعنی

www.caarwan.com

Scanned with CamScanner

وہ الگ باندھ کے رکھا ہے جو مال اچھا ہے

شعر کا دوسرا بلکہ پہلا مصرعہ آپ خود وضع کر لیں مطلب یہ کہ ناصر علی سید بھی اپنا قیمتی اثاثہ چھپائے ہوئے تھے ممکن ہے ان کے دل میں وہ کہانی بھی کہیں موجود رہی ہو کہ ایک شخص کو ایک کیچڑ میں ایک ہیرا ملا تو اسے دریا میں دھونے لگا دھوتے دھوتے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور دریا کی گہرائیں میں ڈوب گیا۔ بے چارے کو اتنا صدمہ ہوا کہ باقی زندگی صرف ایک ہی جملہ بولنے لگا کہ دھونے سے نہ دھونا ہی اچھا تھا۔ لیکن ناصر علی سید کے ساتھ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ انہیں یہ ہیرا کیچڑ میں نہیں ملا ہے بلکہ دل کا خون پلا پلا کر اسے تراشا بنایا اور چمکایا بلکہ یہ ایک ہیرا بھی نہیں ہے ہیروں کی پوٹلی ہے اتنا ظالم تو دریا بھی نہیں ہوسکتا کہ ساری پوٹلی ہی کو ہڑپ کر جائے۔

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے

کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے

شامیں فریب دیتی ہیں یا نہیں اس کا تو ہمیں تجربہ نہیں ہے کیونکہ ہمیں ''صبحوں'' نے اتنے دھوکے دیئے ہیں کہ دوپہروں تک اعتبار نہیں رہا ہے تو شاموں کے دھوکے میں کیسے آئیں گے ویسے ایسے شاعر ٹرانسپورٹ کا یہ شعر ہم نے بچپن ہی میں پڑھ لیا تھا کہ

حسن والے حسن کا انجام دیکھ

ڈوبتے سورج کو وقت شام دیکھ

جب حسن والوں کو ''شام'' سے ڈرایا جاسکتا ہے کہ ہم کس ''بنارس'' کی صبح ہیں جو شام اودھ کے ساتھ یارانہ گانٹھیں۔ ویسے پشتو میں شام کو تو نہیں لیکن شام سے ذرا پہلے کے وقت مازیگر (عصر) سے ضرور خبردار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے کہ

ھلکہ ورغ بہ لیونے شے

کہ د کودر ماز یگرے دے اولید نہ

یعنی نوجوان خبردار پاگل ہو جاؤ گے اگر کہیں تم نے ''پنگھٹ'' کا مازیگر'' دیکھ لیا۔ شاموں کے بارے میں ویسے ہم ناصر علی سید سے اصولی طور پر اتفاق کرتے ہیں کیونکہ شامیں بڑی منافق ہوتی ہیں نہ یہ رات میں شام ہوتی ہیں نہ دن میں نہ روشن ہوتی ہیں نہ تاریک کچھ عجیب ''سیاسی'' سا وقت ہے کہ نہ ادھر کا نہ ادھر کا اور کہئے تو ادھر کا بھی ہوتا ہے اور ادھر کا بھی بلکہ آج تک کسی گنجے کے چہرے اور سر کی طرح کسی پٹواری سے یہ تعین بلکہ حد برداری تک نہیں ہوسکتی ہے کہ دن کہاں پر ختم ہوتا ہے شام کہاں سے کہاں تک ہوتی ہے اور شام وشب کی سرحد کہاں قائم کی جاسکتی ہے اب ایسی نوسر باز بلکہ بہروپئے قسم کی چیز یا وقت نے ناصر علی سید کو فریب دیئے ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا ہے البتہ اسی پر بات کی جاسکتی ہے کہ یہ فریب کس نوعیت کے ہیں دلی' جسمانی یا مالی۔ لیکن اس کا فیصلہ بھی کچھ مشکل نہیں ہے کسی شاعر کے پاس ''دل'' کے علاوہ اور ہوتا ہی کیا ہے۔ یہی ایک دل ہی تو اس کا کل اثاثہ ہوتا ہے اور وہ بھی کھلا ڈھلا ہاتھ میں لیے ہوئے ہوتا ہے بلکہ اچھالتا ہوا پھرتا ہے۔

آپ شاید سوچیں کہ ہم ناصر علی سید کے اس مجموعہ کلام سے اشعار کیوں نقل نہیں کر رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم نے پڑھا نہیں ہے اتنے زیادہ تجربہ کار تبصرہ نگار یا مقدمہ باز ہم نہیں ہیں کہ بغیر پڑھے کسی کتاب پر کچھ لکھ مار سکیں اس کے لیے بہت زیادہ تجربہ اور نہایت تیز قوت شامہ درکار ہوتی ہے کہ صرف سونگھ کر کچھ بتا سکیں ایسا ہوتا تو ہم آج یوں نکمے نہ پھر رہے ہوتے اور سابق فوجیوں کی اس کمپنی میں بھرتی ہو چکے ہوتے جو چور اور چوری کا سراغ لگاتے ہیں چنانچہ پوری کتاب پڑھنا ہماری مجبوری ہے۔ بلکہ کچھ کم

www.caarwan.com

Scanned with CamScanner

فہم ہونے کی وجہ سے بار بار پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے چنانچہ ''شامیں فریب دیتی ہیں ''ایک مرتبہ تو کتاب ملتے ہی شہر سے گھر آتے ہوئے دوران سفر پڑھ ڈالی پھر دو چار روز بعد دوبارہ پڑھی اور اب جب تبصرہ کرنا تھا تو تیسری مرتبہ ذرا دل جمعی سے پڑھی لیکن اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں ہے دراصل ناصر علی سید نے کتاب اتنی خوبصورت چھاپی ہے کہ پڑھنے میں ویسے ہی مزا آتا ہے جیسا کہ کسی خوبصورت انسان کو بار بار دیکھنے اس سے باتیں کرنے بلکہ بار بار کرتے رہنے کو من کرتا ہے۔لیکن اصل وجہ نمونہ کلام نہ دینے کی یہ بھی ہے کہ صرف چھکنے سے جی کہاں بھرتا ہے کیونکہ'' شامیں فریب دیتی ہیں'' ہمارے خیال میں پشاور کے کسی ایسے شاعر کا پہلا مجموعہ کلام ہے جس نے اردو، پشتو اور ہندکو تینوں زبانوں کی شاعری کا ''فلیور'' اپنے کلام میں سمویا ہے۔

ایسا کہاں سے لاؤں

محمد حماد حسن

نپولین کے بارے میں کہیں پڑھا تھا کہ اس کی کامیابیوں کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ وہ اپنے سپاہیوں سے نہ صرف بے انتہا محبت کرتا تھا بلکہ وہ اپنے دس ہزار سے زیادہ سپاہیوں کو ان کے نام سے پکارتا تھا۔اسے نہ صرف دس ہزار سپاہیوں کے نام ازبر تھے بلکہ وہ ان کے خاندانی اور نجی مسائل سے بھی پوری طرح باخبر رہتا تھا اور گاہے کسی سپاہی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھتا کہ اب تمہاری بیوی کی طبیعت کیسی ہے تو دوسرے سپاہی کے ساتھ کسی بینچ پر بیٹھ کر پوچھتا کہ تمہارے بیٹے کے سکول میں داخلے کا کیا بنا۔یہی وہ خوبی تھی جس نے اس ہر دلعزیز جرنیل کے ساتھ اس کے سپاہیوں کو روایتی ڈسپلن کی بجائے عقیدت کے رشتے میں جوڑ دیا تھا۔

میں جب کبھی کسی تقریب، کسی پروگرام کے آغاز یا اختتام پر ناصرؔ علی سید کو نوجوان ادیبوں ،شاعروں اور لکھاریوں کے نرغے میں گھرا ہوا دیکھتا ہوں تو مجھے نپولین اور اس کے سپاہی بے ساختہ یاد آتے ہیں۔

میں ناصرؔ علی سید کی شاعری پر گفتگو نہیں کرنا چاہتا یا با الفاظ دیگر وہ روایتی مضمون دہرانا نہیں چاہتا جو گزشتہ کئی عشروں سے شاعری کی ہر کتاب کے فلیپ پر تسلسل کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے۔یہ الگ بات کہ مضمون نگار کا نام تبدیل ہوتا رہتا ہے ناصرؔ یقیناً اچھے شاعر ہیں لیکن اچھی شاعری تو اور لوگ بھی کر رہے ہیں لیکن جو چیز ناصرؔ کو منفرد اور ممتاز بناتی ہے وہ ہے اس کی شخصیت۔کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ جب روزِ ازل کو فرشتے نصیبوں کی

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

ٹوکریاں اٹھائے لوگوں کی اس قطار کے سامنے آئے جنہیں شاعری ودیعت ہونا تھی تو فرشتہ ایک ایک مٹھی بھر کر ناصرؔ کے ساتھیوں کی جھولی میں ان کا حصہ ڈال رہا تھا لیکن جب ناصرؔ کی باری آئی تو حکم ہوا کہ اسے کچھ زیادہ عطا کر دو، یہ چھوٹا ہے اور یوں اس کی جھولی میں دونوں ہاتھ بھر کر حصہ ڈالا گیا اور پھر شخصی خوبیوں کے معاملے میں تو حد ہو گئی جب سارے کا سارا ٹوکرا ہی اسے بخش دیا گیا اور اس کے ساتھی محض شاعری کے ''حصے'' پر ٹرخا دیئے گئے۔ اگر کسی کو میری بات میں شک ہو تو وہ ناصرؔ علی سید کے ساتھ صرف ایک تعارف کر لے اور اس کے ہم عصر شاعروں کے ساتھ ایک عشرے کی دوستی، فرق اس قدر واضح نظر آئے گا کہ ریاض مجید کی شاعری اور شخصیت کا فرق بھی ماند پڑتا ہوا محسوس ہو گا۔ ناصر علی سید اور اس کے ہم عصروں میں وہی فرق ہے جو گلاب اور دوسرے پھولوں میں ہے۔ گلاب، حسن اور خوشبو سے لبریز ہے جبکہ دوسرے پھولوں میں حسن ہے تو خوشبو نہیں اور خوشبو موجود ہو تو حسن ندارد۔ ناصرؔ علی سید کا حسن اس کا ادب ہے اور خوشبو اس کا اخلاص۔ ناصرؔ بلا کا ذہین اور حاضر جواب ہے۔ شہر میں برپا ہونے والی کوئی بھی ادبی تقریب اس کے بغیر ایسی ہی غیر معتبر دکھائی دیتی ہے جیسی کوئی ادبی نظم سانول کے بغیر ضروری بات کے بغیر۔ ناصرؔ کے ہر کاٹ دار جملے میں صرف طنز نہیں ہوتا بلکہ اس کے عقب میں اس کا عمیق مشاہدہ اور شرارت آمیز ذہانت بھی جھلکتی ہے۔ ایک دفعہ پشاور یونیورسٹی کے ایک مشاعرے میں ناصر علی سید اپنی غزل سنا رہے تھے کہ اتنے میں ایک خوش شکل لڑکی سٹیج کے سامنے سے گزرنے لگی تو سٹیج پر بیٹھے شعراء اور ہال میں موجود نوجوان نے لڑکی کی طرف دیکھنا شروع کیا تو ناصرؔ نے غزل روک دی اور کہا ''یہ وقفہ ختم ہو تو پھر سناتا ہوں۔ یک غیر مسلم ادیب کے بارے میں کسی نے بتایا کہ وہ جھوٹ بھی بولتا ہے، رشوت بھی لیتا ہے، بددیانتی بھی کرتا ہے۔ ناصرؔ نے لقمہ دیا، یار! اُسے کہو کلمہ بھی

پڑھ لے۔ ایک صاحب نے پوچھا، ناصر صاحب! آپ پی ایچ ڈی کیوں نہیں کرتے۔ ناصرؔ نے فوری جواب دیا اس لیے کہ میں پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ ایسے بیسیوں جملے، چٹکلے، لطیفے اور اشعار ناصرؔ کی نوکِ زبان پر ہر لحہ تھرکتے رہتے ہیں اور اُس کے چاہنے والے اِن سے محظوظ ہوتے رہتے ہیں۔

صاحبو! محبت، بغاوت اور ہجرت ایک ایسی تثلیث ہے کہ ان میں سے کسی آدمی پر گزرنے والا ایک حادثہ بھی اسے ریزہ ریزہ کر کے رکھ دیتا ہے لیکن ناصرؔ ایسا سخت جان آدمی ہے جو ان تینوں جانکاہ حادثات سے نہ صرف گزرا بلکہ اپنی پوری توانائی اور آب و تاب کے ساتھ زندہ بھی رہا ہے۔

شب سیاہ کی رعنائیوں میں زندہ ہوں

ناصرؔ بہت سفاک حقیقت پسند ہے اس نے شہر کے تہذیبی قالب میں اپنے آپ کو کچھ اس طرح ڈھالا گویا یہ ''قالب'' بنا ہی اس کے لیے تھا۔ دوسری طرف وہ اپنے گاؤں، بچپن اور دیہاتی کلچر کو بھی نہیں بھولا بلکہ پوری کمٹمنٹ کے ساتھ اس سے جڑا بھی رہا۔ حالانکہ گاؤں سے شہر آنے والے اوّل تو اپنی جبلی Shyness کی وجہ سے شہروں میں ایڈجسٹ ہی نہیں ہو پاتے اور اگر اس میں کامیاب ہو جائیں تو گاؤں کو بھلا دیتے ہیں لیکن ناصرؔ ایسا جادوگر ہے جو اس ''ترازو'' کے دونوں پلڑوں میں آلتی پالتی مارے بیٹھا ہے اور کسی پلڑے کو جھکنے نہیں دیتا۔ وہ کہیں بہت تیز طرار اور موقع پرست دکھائی دیتا ہے تو کہیں بلا کا سادہ، معصوم اور بھولا بھالا بالکل ایک دیہاتی بچے کی مانند۔

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

شام لمحوں میں ایک مکالمہ

یوسف عزیز زاہد

نہ جانے اگلی گھڑی کیا سے کیا میں بن جاؤں
ابھی تو چاک پہ ہوں، دستِ کوزہ گر میں ہوں

مرشد نے شعر کو بآواز بلند دہرانے کے بعد کہا:

اپنی معنوی جہت، صوتی آہنگ اور اسلوبیاتی بانکپن کے باعث یہ شعر ایک کشش اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس میں نفسی کنایہ بھی موجود ہے اور شاعری کی تخلیقی حسیات کا ادراک بھی ملتا ہے مگر جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ دوسرے مصرع میں ''چاک'' اور ''دستِ کوزہ گر''، جیسی تراکیب کو علامت کی سطح پر لانے کیلئے مصرع اولیٰ میں 'لفظ' بہت ہی کمزور ہو جاتے ہیں۔ گستاخی معاف مرشد۔ کسی ایک شعر کو پرکھنے یا اس کے معنی متعین کر دینے سے یہ مراحل طے نہیں ہو جاتے کہ کسی شاعر کے ہاں رمز و کنایہ اور علائم و استعارہ کس سطح پر اور کن حوالوں سے تشکیل پاتے ہیں۔ جہاں تک ''شامیں فریب دیتی ہیں'' کی غزلوں، نظموں کو پڑھ کر میں نے جو تاثر قبول کیا ہے وہ یوں ہے کہ کچی مٹی کی مہک'' کے ساتھ ساتھ اس شاعر کے ہاں خود اعتمادی کی فضا بھی ملتی ہے۔ گو کہ ناصر علی سید کے ہاں بوجوہ اسلوب کی یک رنگی اور تسلسل موجود نہیں تاہم کسی ہم عصر یا پولر شاعر کی نقالی بھی نہیں نہ ہی اساتذہ کے رنگ کی جگالی ملتی ہے۔ حالانکہ ''میر'' اور ''غالب'' سے استفادہ ''واوین'' میں بھی موجود ہے اور واوین کے باہر بھی مگر شاعر کا کمال ہے کہ نہ تو میر کا رنگ ''غالب'' آنے دیا نہ ہی غالب کی تقلید میں ''میری فقیری'' اختیار کی۔

میں تمہاری بات سے بڑی حد تک اتفاق کرتا ہوں۔ اختلاف کی بات بعد میں کروں گا لیکن میرے خیال میں جب ہم ''ناصر علی سید'' کی شاعری پر گفتگو کرتے ہیں تو اس کی پوری شخصیت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً میرے نزدیک ناصر علی سید بنیادی طور پر ایک اچھا افسانہ نگار ہے۔ ادبی حلقوں میں ''افسانہ'' اس کی پہچان زیادہ اور ''شعر'' کم ہے۔ ''ادبی دنیا'' زندگی کے بعد اس کے افسانوی مجموعہ کے انتظار میں تھی لیکن اس نے شاموں کا فریب دیکر ادبی حلقوں کو حیران بلکہ۔۔ پریشان کر دیا ہے۔ میرے خیال میں شاعری کا مجموعہ بعد میں آنا چاہیے تھا۔ جہاں تک میر و غالب کے اثرات کا تعلق ہے اگر یہ غالب نہیں تو پوشیدہ بھی نہیں۔ مجھے آپ کی بات سے اختلاف کی جرأت نہیں مرشد مگر میں ان اثرات کو مثبت انداز میں قبول کرتا ہوں۔ آپ کی یہ بات بھی درست ہے کہ ناصر علی سید کی پہچان ''افسانہ'' ہے۔ کم و بیش 25 برس پہلے ناصر علی سید حلقہ ارباب ذوق میں مشاعروں کے انعقاد کا ''مخالف'' تھا۔ ادارۂ علم و فن کے مشاعروں میں بھی وہ کم کم ہی پڑھتا تھا اور پڑھتا بھی تھا تو دو چار مخصوص غزلیں دہراتا تھا۔ مثلاً:

دھرتی ماتا کے آنچل کے تاروں کا بیو پار ہے ہر پل
کس کس کا میں نام بتاؤں اک اک میرا ماں جایا ہے

یا

جیسے شہر کے سب لوگوں کو ڈس گئی پیلے رنگ کی ناگن
زرد ہواؤں کا یہ چکر پہروں سوچتا رہتا ہوں

یا

یہ تیرے ہونٹوں پہ نیلاہٹیں سی کیسی ہیں
کہ زہر ہجر پیا میں نے عمر بھر تنہا

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

دوست دن بھر تو میں ہوتا ہوں سبھی کا لیکن
آپ بن جاتا ہوں میں اپنا عدو رات گئے

اور اسی غزل کا ایک اور شعر جہاں میر کا رنگ غالب ہے

کس طرح جلتا ہے یادوں کے الاؤ میں بدن
تو بھی ٹک دیکھ ادھر آ کے کبھو رات گئے

یہاں آپ محسوس کریں گے مرشد کہ شاعر کا لہجہ تلخ' الفاظ میں قدرے کھردراپن' رویوں میں بے چینی اور جھنجھلاہٹ نمایاں ہے۔ شعریت کی کمی اور ''نعرے'' کا احساس زیادہ ملتا ہے۔

مرشد نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا ''ہوسکتا ہے یہ غزلیں اس دور کی ہوں جب ناصر علی سید حصول علم کے ساتھ ساتھ ''رزق'' کی تلاش میں بھی سرگردان ہو۔ ''بھوک'' ہمارے عہد کا بہت بڑا مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ یہ بھوک پیٹ کی ہو تو بغاوت پر اکساتی ہے۔ جسم کی ہو تو خواہشات کو جگاتی ہے۔ شہرت کی ہو تو خاک میں ملاتی ہے۔ دولت کی ہو تو لہو رلاتی ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ جب جبلی طور پر انسان ''بھوک'' کا شکار ہے اور آج ہمارے ادب میں اسی بھوک کا تذکرہ ملتا ہے لیکن جو لوگ اس بھوک کا تذکرہ کرتے ہوئے ادب تخلیق کرتے ہیں اور ''نعرہ بازی'' سے گریز کرتے ہیں وہی کامیاب ادیب کہلاتے ہیں۔

''مرشد۔۔ ہوسکتا ہے آپ کا قیاس درست ہو۔ ہم اگر ناصر علی سید کی ''ذاتی'' زندگی کو الگ بھی رکھ دیں تو بھی حصول علم اور رزق کی تلاش میں گاؤں سے ہجرت کر کے شہر میں ''خانہ آبادی'' کے مراحل طے کرنے تک کے اوراق کسی سے پوشیدہ نہیں۔ حالانکہ ایک ''خانہ'' اس کا گاؤں میں بھی ''آباد'' تھا۔ قدیم کتاب کے ان اوراق کو رہنے دیتے ہیں۔

اس مرحلے پر مرشد نے مسکراتے ہوئے اس شعر کو دو تین مرتبہ دہرایا

ایک وعدے کو اوڑھ کر سونا
اک کے قرب و جوار میں رہنا

لیکن مرشد ناصر علی سید نے بڑے اعتماد سے یہ شعر بھی تو کہا ہے:

کسی کو شاعری ورثے میں تھوڑی ملتی ہے
یہ خونِ دل سے نہ سینچو تو معتبر بھی نہیں

مرشد نے شعر سن کر بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ بات بہت لمبی بلکہ متنازعہ ہو جائے گی۔ اس لئے اشارتاً کہتا ہوں پیدا ہونے والا ہر بچہ ''معصوم'' ہوتا ہے۔ اس کی گھریلو تربیت اور ماحول اسے مسلمان' عیسائی' ہندو' سکھ یا دہریہ بنا دیتے ہیں۔ کوئی بھی شخص پیدائشی طور پر شاعر' ادیب' نقاد یا انشاء پرداز نہیں ہوتا نہ ہی یہ صفات ورثے میں ملتی ہیں۔ راجندر سنگھ بیدی رقم طراز ہیں ''فن کسی شخص میں سوتے کی طرح سے نہیں پھوٹ نکلتا۔ ایسا نہیں ہے کہ آج رات آپ سوئیں گے اور صبح فن کار ہو کر جاگیں گے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں شخص پیدائشی طور پر فن کار ہے لیکن یہ ضرور کہا جا سکتا ہے۔ البتہ' کہ اس میں صلاحیتیں ہیں جن کا ہونا بہت ضروری ہے چاہے وہ اس جبلت میں ملیں یا وہ ریاضت سے ان کا اکتساب کرے۔ پہلی صلاحیت یہ ہے کہ وہ ہر بات دوسروں کے مقابلے میں زیادہ محسوس کرتا ہو۔ دوسری صلاحیت یہ کہ اس کے کام و دہن اس چرند کی طرح ہوں جو منہ چلانے میں خوراک کو ریت اور مٹی سے الگ کر سکے۔ پھر یہ خیال اس کے دل کے کونے میں کبھی نہیں آئے گا کہ کاغذ کے ریم کے ریم ضائع ہو گئے اور ایک سطر تک ''تخلیق'' نہیں ہوئی ہے۔ گویا آپ کے کہنے کا مقصد یہ ہے مرشد کہ شاعر۔۔۔ ایک مخصوص طرزِ احساس کے ساتھ معاشرے کی نبض پر ہاتھ رکھنا جانتا ہو پھر اس میں یہ صلاحیت بھی ہو کہ معاشرے

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

کے دل کی دھڑکن کو اپنے اندر جذب کر سکے۔ اسے پرندوں کے شور میں موسیقی کا رچاؤ سنائی دے۔ خیال کو خواب سے معاملہ کرنے میں اسے سہولت محسوس ہو رہی ہو۔ تب جا کر اس پر شاعری کے رموز و اسرار کھلتے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں مرشد۔۔ پھر بھی فن کار۔۔ چاہے وہ شاعر ہو افسانہ نگار یا مصور۔۔ اپنی نگاہوں کے احاطے میں آنے والی اشیاء اور مناظر کو من و عن بیان نہیں کرتا بلکہ اس اظہار میں وہ اپنا تبصرہ بھی شامل کرتا ہے۔ ناصر علی سید کے ہاں مناظر کی تصویر کشی میں بڑی فراخ دلی سے کام لیا گیا ہے مگر اس نے پوری بصیرت اور مہارت سے ان تصاویر میں اپنے تبصروں کے رنگ بھی بھرے ہیں۔ مثلاً

ہونٹوں پہ مرے دھوپ نے جب پیاس لکھی تھی
اس وقت میں دریا کے کنارے پہ کھڑا تھا

سوائے دربدری اور کون جانے ہے
کہ میرے شہر کے نقشے میں میرا گھر بھی نہیں

وہ شفق ہو کہ سمندر کے مرا دل ناصرؔ
شام ہوتی ہے تو ہر چیز لہو روتی ہے

بچھڑنے والوں کے چہرے لہو رلائیں گے
رفاقتوں کے سفر کی اگر کتاب کھلے

چند لمحے مجھے پلکوں میں چھپا لے اپنی
میں بھی تصویر بنا پاؤں کبھی پانی پر

اپنی سب دعاؤں کو لکھ دیا ہے ساحل پر
اور ٹوٹی کشتی کو پانیوں سے باندھا ہے

مضطرب سے لمحوں میں ہم نے دل کی ٹہنی پر
ایک زرد سا پتہ انگلوں سے باندھا ہے

مرشد۔۔۔ یہ چند اشعار جن میں ''فردات'' بھی شامل ہیں، شعور سے شعار تک جذبے کے رتھ پر سوار دشتِ امکان کا سفر طے کرتے ہیں اور قاری کو سرشار کرتے جاتے ہیں۔ ان اشعار میں رمز، ایمائیت، کنایہ، استعارہ، تشبیہ اور علامت کہیں بھی شعوری طور پر ''کھپائی'' نہیں گئی جبکہ آغاز میں جن اشعار کے حوالے دیئے گئے وہاں پیلے رنگ کا ناگن اور زرد ہواؤں کے چکر سے جان چھڑا کر ناصر نے ایسی تشبیہات، استعارے اور علامتیں استعمال کی ہیں جو آج کی شاعری کا ''لازم'' ہیں۔ ناصر کے ہاں تلازم وجدانی کیفیت کی تصدیق کرتا اور تخیل، سرخوشی اور دل بستگی کو ''معمور'' کرتا ہے۔ اسی لئے ''شامیں فریب دیتی ہیں'' مگر ناصر کے اشعار پڑھ کر یقین و اعتبار کی فضائیں بھی اپنا رنگ اپنی جھلک دکھاتی ہیں۔

شہر خوباں ہے لاکھ چہرے ہیں
کوئی پوچھے تری مثال تو پھر ؟

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

تحفۂ درویش

عزیز اعجاز

کسی استاد نے کیا خوب فرمایا ہے

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

نہ جانے کیوں مجھے یہ شعر جس شخصیت کا پرتو لگتا ہے اُس کا نام ناصر علی سید ہے۔ میری اس بات کا یہ مفہوم ہرگز نہ لیا جائے کہ خدانہ کردہ ناصر علی سید کوئی تارک الدنیا قسم کا انسان ہے جو کسی پیڑ کے نیچے۔ فکر واستغراق میں گم دنیا و مافیہا سے بے خبر سر جھکائے بیٹھا ہے۔ ناصر علی سید تو زندگی سے بھرپور ایک ایسا شخص ہے جو زندگی کے ایک ایک پل سے لطف اندوز ہونا چاہتا ہے۔ وہ ہر محفل میں جان محفل ہوتا ہے۔ یاروں کا یار اس حد تک ہے کہ اس پر غالب کے طرفدار ہونے کا الزام بہ آسانی دھرا جا سکتا ہے۔ اپنے تمام تر شاعرانہ تساہل کے باوجود فرائض منصبی انتہائی جانفشانی اور خندہ پیشانی سے ادا کرتا ہے۔ یقین نہ آئے تو کسی روز علی الصبح گورنمنٹ کالج کے گیٹ پر پہنچ جایئے آپ کی حیرت کی اس وقت انتہا نہ رہے گی جب ناصر علی سید کو آپ کالج کے گیٹ میں پیریڈ شروع ہونے سے ٹھیک پانچ دس منٹ پہلے داخل ہوتا دیکھیں گے۔ اسے اپنے کام سے کتنا عشق ہے اس کا اندازہ ان ہزاروں طالبعلموں سے لگایا جا سکتا ہے۔ جو گذشتہ پچیس تیس برسوں کے دوران اس کے طالبعلم رہے ہیں اور فارغ التحصیل ہونے کے باوجود ناصر علی سید سے رشتۂ طالبعلمی استوار کیے ہوئے ہیں۔ ہر برس ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

دراصل ناصر علی سید کا تعلق جس خانوادے سے ہے اس کا امتیاز ہی فیض عام کرنا ہے اور ناصر بھی اسی اصول پر کاربند ہیں۔ اس صحن میں صرف طالبعلموں ہی پر کیا موقوف ناصر اپنے دوست احباب اور ملنے جلنے والوں کو بھی غیر محسوس طریقے سے فیضیاب کرتا رہتا ہے مگر اس کے باوجود میں نے جس بنیاد پر ناصر کو جگر کے شعر کا عکس قرار دیا تھا وہ ناصر کا قلندرانہ انداز بود و باش ہے۔ ہم نے تیس بتیس برسوں کی دوستی میں ناصر کو کبھی دنیا کے پیچھے اس انداز سے بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا جس طرح آج ہر کوئی اس دوڑ میں شامل ہے۔ ایک خاص قسم کا استغناء ہر آن اس کی شخصیت سے ٹپکتا رہتا ہے۔ دیو جانس کلبی سکندر اعظم کے اطالیق تھے جب سکندر اعظم آدھی دنیا فتح کر کے یونان واپس لوٹا تو اسے استاذ کی خدمت میں حاضری کا خیال آیا۔ سکندر فتح کے نشے میں جھومتا ہوا استاد کے حضور پیش ہوا

اس آن استاد محترم زمستان کی دھوپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے سکندر بولا: استاد محترم میں آدھی دنیا فتح کر کے آیا ہوں مانگو کیا مانگتے ہو۔ استاد نے سکندر پر ایک اچٹتی نگاہ کی سکندر اس سے سورج اور استاد کے درمیان حائل ہو کر کھڑا تھا۔ نہایت لاپرواہی سے کہا سکندر میری دھوپ چھوڑ دو۔

ناصر بھی زندگی سے لطف اندوز ضرور ہوتا ہے مگر کسی سکندر کا احسان اٹھانا اسے بھی گوارا نہیں۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے میں نے ناصر علی سید کے شعری مجموعے ''شامیں فریب دیتی ہیں'' کو تحفۂ درویش قرار دیا ہے۔

میں اپنے اس دعوے کی دلیل کے طور پر شامیں فریب دیتی ہیں میں سے متعدد شعر پیش کر سکتا ہوں مگر فی الحال چند ایک پر ہی اکتفا کروں گا۔ پہلی غزل کا پہلا شعر ملاحظہ کیجئے

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

یہ اور بات کہ موجود اپنے گھر میں ہوں
میں تیری سمت مگر مستقل سفر میں ہوں
نہ جانے کونسا موسم مجھے ہرا کر دے
نمو کے واسطے بے تاب ہوں شجر میں ہوں
مرے آنگن میں دریا آن پہنچا
صدائے تشنگی مہنگی پڑی ہے
وہ ایک لمحہ کہ ادراک ذات ہوتا ہے
تو ایک ذرہ بھی پھر کائنات ہوتا ہے

یہ تو ذکر تھا ناصر کے مزاج اور اس کے مزاج سے ہم آہنگ اس کے طرز زندگی کا۔ ''شامیں فریب دیتی ہیں'' میں زندگی کے تمام رنگ دھنک کی طرح ایک خاص امتزاج اور تناسب کے ساتھ موجود ہیں۔ جدید حسیات اور تغزل کی کلاسیکیت کا رنگ اس کی شاعری کو نہ صرف اعتبار بخشتا ہے بلکہ اسے دلپذیر اور ہمہ گیر بناتا ہے جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی بحث میں پڑے بغیر ناصر کی شاعری کو اسی کے عہد جس میں وہ سانس لے رہا ہے کا ترجمان قرار دیا جا سکتا ہے۔ بیتی شاموں کے اس خسارے میں غم دل کی کسک بھی ہے اور غم روزگار کی گھٹن بھی۔ غم ذات کا شعور بھی غم حیات و کائنات کا ادراک بھی۔

غموں سے دوستی مہنگی پڑی ہے
سراسر زندگی مہنگی پڑی ہے
سوائے در بدری اور کون جانے ہے
کہ میرے شہر کے نقشے میں میرا گھر بھی نہیں

آج کا معاشرہ جن مسائل سے دوچار ہے۔ ناصر اس سے گہری واقفیت رکھتا ہے کس طرح آن کی آن میں وفاداریاں بے وفائیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

اک ایسے موڑ پہ بازی میں شہ پڑی ناصر
کہ کام کا کوئی مہرہ بساط پر بھی نہیں
میں دشمنوں کے ستم حرف حرف کہہ دوں گا
مگر وہ کیسے کہوں دکھ جو بھائی دیتے ہیں

جناب صدر ناصر علی سید کی شاعری اور شخصیت کے اتنے رنگ ہیں کہ قلم سرپٹ دوڑے چلا جا رہا ہے۔ مگر آج کے مضمون میں چونکہ میں نے شاعری اور شخصیت کے ایک رخ کو اپنا موضوع بنایا ہے اس لئے اس پر اکتفا کروں گا اور آئندہ کسی مضموں میں چاند کے دریچے میں آنے اور کسی کے شانے پر جھکنے کسی کی بزم میں باریاب ہونے، کسی چاند کے پہلو میں سونے۔ نیلی آنکھوں کی فسوں کاری کی کہانی، زلفوں کی گھنی چھاؤں میں محو خواب ہونے، فرصت کے لمحوں میں یار کی گلی کی سیر اور مضطرب لمحوں میں دل ٹہنی پر زرد سے پتے کو انگلیوں سے باندھنے، کسی رادھا کے انتظار کی کسک، کسی گلی کے ایک دریچے میں کسی اپنے کو تلاش کرنے اور پہلی محبت میں پرستش کے لیے اشکوں سے رات گئے وضو کرنے کا اسرار جاننے کی کوشش ہوگی۔ فی الحال ناصر کے اس شعر پر اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

ہونٹوں پہ مرے دھوپ نے جب پیاس لکھی تھی
اس وقت میں دریا کے کنارے پہ کھڑا تھا

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

''شامیں فریب دیتی ہیں''

ضیغم حسن

ناصر علی سید کا پہلا مجموعہ کلام ''شامیں فریب دیتی ہیں'' میرے سامنے ہے۔ میں کوئی شاعر نہیں کوئی نقاد نہیں، میں تو ادب کا ایک مبتدی ہوں۔ لہٰذا اس کی شاعرانہ خوبیوں اور ادبی معیار کا تعین تو وہ لوگ کریں گے جو اس فن کے ماہرین ہیں۔ میں تو مختصراً صرف اپنے محسوسات اور مشاہدات بیان کرنے کی جسارت کروں گا آغاز کرتے ہیں کتاب کے Layout اور ڈیزائن سے۔ آج کل چھپنے والے بیش تر مجموعۂ کلام سرورق عموماً کمپیوٹر سے ڈیزائن اور بعض مرتبہ تو تصویریں لگا کر بنا دیئے جاتے ہیں۔ میں نے ایسے سرورق دیکھے ہیں جن پر تتلیاں، چڑیاں، کبوتر، جھونپڑی وغیرہ جیسے مضحکہ خیز مناظر بنے ہوتے ہیں۔ (اندر چھپے مضامین کی بات نہیں کروں گا) ناصر نے کتاب کے ٹائٹل پر خصوصی توجہ دی ہے۔ ان کی شاعری میں مذکور مشکلات کی تاریکی اس کے رویے میں موجود رجائیت اور زندگی کی کشاکش اور جدوجہد کی سرخی سب کچھ کا سرورق سے اظہار ہوتا ہے افراز واقعی اپنے والد کا مزاج شناس نکلا۔ اس کو بھرپور مبارک باد۔

کتاب کی پشت یعنی پچھلے سرورق (Back Title) پر اکثر شعراء اپنے بڑی سی تصویر اور بائیوڈیٹا چھاپتے ہیں۔ گویا تعارف کے لیے شاعری کا حوالہ کافی نہیں۔ شکل کی تشہیر بھی ضروری ہے۔ یہ بڑی خوشگوار بات ہے کہ ناصر نے شوبز سے رابطہ ہونے کے باوجود تصویر کی تشہیر اور بائیوڈیٹے کے ذریعے متاثر کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے بارے میں کچھ بھی بتانے سے گریز کرتے ہوئے صرف اپنی شاعری کو اپنی پہچان کے طور

پر پیش کرتا ہے۔ وہ یقیناً فراز کے اس شعر کی تفسیر ہے کہ

دیکھو یہ میرے زخم ہیں، دیکھو یہ میرے خواب ہیں
میں نے تو سب حساب دل، برسر عام رکھ دیا

اک اور خاص بات کتاب پر موجود Bar Code اور ISBN نمبر ہے۔ جو موجودہ ترقی یافتہ دنیا سے ناصر کی بھرپور واقفیت کی دلیل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ روایت کے سنگ چلنے اور ''دیسی'' ہونے کے فخر کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ کتاب کے ٹائٹل پر کمپیوٹر کمپوزنگ کے بجائے کاتب کے ہاتھ سے تراشے ہوئے ہیرے کی طرح اس کا اور کتاب کا نام اس کی دلیل ہے۔ روایت میں جدت پیدا کرنے کی امنگ بھی نام کا دامن نہیں چھوڑتی لہٰذا صفحات پر نمبر لگانے کے بجائے اردو میں لکھے ہوئے نمبر ہمیں ایک خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ (نعت بالکل الگ۔ میرا اور رسول کا معاملہ)

ناصر کو جو لوگ جانتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ وہ کس قدر محبت والا ہے۔ ہر ایک کو ''جان'' کہہ کر مخاطب کرنے والا واقعی جی جان سے محبتیں کرتا ہے۔ اس کی آواز سے مخاطب اپنے لیے اس کی صحت اور گرمجوشی کو محسوس کرتا ہے۔ افسوس ہم ایک ایسے زمانے کے لوگ ہیں جو نہ محبت کی قدر کرتے ہیں نہ محبت کرنے والے کا احترام۔ محبت کا جواب محبت سے دینے کا چلن اٹھتا جاتا ہے سو لازمی ہے کہ ناصر جیسے ہر ایک سے محبت کرنے والے کو جواب میں غم، کینہ، حسد، سخت الفاظ کے پتھر اور دشوار رویوں کی دھوپ سہنی پڑتی ہے۔ یہی چیز ناصر کو ان سے تنہا کرتی ہے۔ اس کے باوجود دوستی نبھاتا چلا جاتا ہے۔

یہ دوستی بھی عجب چوبِ خشک ہے ناصر
نبھا رہا ہوں مگر ٹوٹنے کے ڈر میں ہوں
وہ اپنی محبت کے ٹوٹنے پر رو بھی نہیں پاتا کیوں کہ

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

تمسخر کا نشانہ بن گیا ہوں
سر مشر گاں نمی مہنگی پڑی ہے

ایسے میں کبھی وہ محبتوں میں تہی دست رہ جانے کا شکوہ بھی کرتا نظر آتا ہے

اک ایسے موڑ پہ بازی میں شہر پڑی ناصر
کہ کام کا کوئی مہرہ بساط پر بھی نہیں

لیکن ایسے میں بھی وہ خواب بننے سے باز نہیں رہ سکتا

ساتھ تیرا کہاں میسر ہے
ایک مدت سے ہم سفر سپنا

ناصر اس زمانے کے دکھوں تکلیفوں اور بے وفائیوں سے بڑے حوصلے سے مقابلہ کرتا ہے اور اسے اپنے حوصلے پر ناز بھی ہے۔

عدو کے سامنے ناصر ہوں حوصلہ پہنے
زرہ بدن پہ نہیں ہاتھ میں بھی ڈھال نہیں

وہ اس دنیا سے جیسی بھی میسر ہے پیار کرتا ہے۔ اس میں دل لگاتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے

قفس میں دل کو لگایا ہے دقتوں سے تو اب
عجیب لوگ ہیں اذنِ رہائی دیتے ہیں

ناصر کا عشق لوگوں کے ساتھ ساتھ اپنی زمین کے ساتھ بھی ہے۔ جو جگہ جگہ اس کی شاعری میں بکھرا نظر آتا ہے۔ وہ پورا پورا اس محبت میں بھیگتا اور کس قدر بے ساختہ کہتا ہے۔

عجیب میٹھی سی چھاؤں میں دن گزرتے ہیں
جہاں بھی جاؤں میرا گاؤں ساتھ ہوتا ہے

بہت روتی ہے پرکھوں کی حویلی
وہیں دل لوٹ جانا چاہتا ہے

محفوظ کل کے لیے ایک دعا (صفحہ 133) اور ڈراپ سین جیسی نظمیں (صفحہ 29) اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ میں اگرچہ سخن فہمی کا دعویٰ کرتا لیکن یہ کہے بنا چارہ نہیں کہ ناصر لفظوں سے کھیلتا ہے۔ ان سے نئے لفظ اور نئے معنی تراشتا ہے۔ لفظوں سے دیئے جلاتا ہے اور ان ہی لفظوں سے دلوں کو موہ لیتا ہے۔ یقین کریں کہ پہلی دو تین غزلوں سے ہی پڑھنے والا ناصر کے سحر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور پھر ناصر اس کا ہاتھ تھام کر اسے نئی وسعتوں سے روشناس کرانے نکل کھڑا ہوتا ہے۔

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

اک باغ و بہار آدمی

تنویر احمد

نرم و نازک افسانوں کے خالق، ہلکے پھلکے سروں کے شاعر، خوش پوش، خوش گفتار محفلوں کی رونق، ایک اچھے کمپیئر، ڈرامہ نگار، نغمہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ کالم نگاری کے کوچے سے بھی آشنائی ہے۔ مجلسی شخصیت، کھڑے ہوں تو جلسہ اور چل پڑیں تو جلوس، محفلیں سجانا ہی ان کے من کی شانتی ہے۔ ریڈیو، ٹی وی، سٹیج، کالج، ادبی نشستیں، فنکشن، یہ ہر جگہ موجود ہیں۔ شاگرد آ رہے ہیں۔ دوست فون پر فون کر رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے کبھی یلدرم کی طرح نہیں کہا ''مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ'' سحر خیز ہیں اس لئے زندگی میں برکت ہی برکت ہے۔ میری ان سے پہلی ملاقات ان کے ایک شاگرد عزیز اورنگ زیب کی وساطت سے ہوئی۔ بچوں جیسے گول مٹول چہرے پر مسکراہٹ سجائے بڑی گرمجوشی سے ملے۔ بعد میں جب مجھے حسام حر نے حلقہ ارباب ذوق پشاور سے متعارف کروایا تو وہیں میں نے ناصر سید کو باتوں کی پھلجڑیاں چھوڑتے دیکھا۔ روشن چہرہ، بھاری بھرکم جسم بذلہ سنجی بلا کی اپنی نرم گرم گفتگو میں دوسروں پر ضرورتاً فقرے چست کرتے جاتے اور محفل کشت زعفران بن جاتی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے۔ جب حلقے میں ڈاکٹر اعجاز راہی اور فضل حسین صمیم جیسے لوگ باقاعدگی سے آتے اور کبھی کبھی محسن اور خاطر بھی آ جاتے اور اس وقت حلقے میں پھلجڑیاں چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔

ناصر بات کرنا جانتے ہیں۔ افسانے یا غزل کو اتنی خوبصورتی سے کھولتے ہیں کہ سننے والے پر بہت سے در منکشف ہو جاتے ہیں۔ الفاظ کو بڑی مہارت سے برتتے ہیں۔ ان کی تنقید کا اپنا مخصوص انداز ہے۔ جب افسانہ یا غزل پڑھی جاتی ہے تو گہری سوچوں میں ڈوب جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ فن پارے کو قطرہ قطرہ اپنے اندر اتار رہے ہوں۔ جب صاحب صدر عام حملے کی دعوت دیتے ہیں تو حلقے کے منجھے ہوئے نقاد اپنے اپنے انداز میں تنقید کرتے ہیں۔ دور کی کوڑیاں لائی جاتی ہیں۔ کبھی گفتگو برائے گفتگو کا سلسلہ بھی چل پڑتا ہے۔ لیکن ناصر خاموشی سے افسانے کی پرتوں میں ڈوب جاتے ہیں۔ جب صدر محترم انہیں دعوت تنقید دیتے ہیں تو شیرا اپنی کچھار سے باہر نکل آتا ہے۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی فاتحانہ مسکراہٹ سجائے لفظوں کی بازیگری شروع ہو جاتی ہے۔ افسانے کے نئے نئے رخ سامنے آنے لگتے ہیں۔ سننے والا حیران رہ جاتا ہے کہ میرا خیال اس طرف کیوں نہیں گیا۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ سب سے مختلف بات کریں کوئی ایسا رخ سامنے لائیں جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔ یوسف عزیز زاہد کے پہیلی نما افسانوں کو ناصر ہی کھولتے ہیں۔

کہتے ہیں بندہ بنیادی طور پر بڑا کمزور ہے۔ جب کامیابیاں ہاتھ باندھے سامنے کھڑی ہوں تو بندہ اعتماد بھری سرمستیوں سے سرشار ہو ہی جاتا ہے۔ ناصر بھی کبھی کبھی انفرادیت کے شوق میں افسانے کو اس طرح کھولتے ہیں کہ محفلِ یاراں حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو جاتی ہے۔ میں بھی ہزار جان سے کوشش کرتا ہوں کہ ناصر کی تنقید اور افسانے میں کوئی اخوت کا رشتہ قائم کر سکوں لیکن میرا ناتواں ذہن ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ سارے ادیبوں کا پہیہ جام ہو جاتا ہے۔ اور ناصر یقین اوڑھے اپنے مشہور جملے کو دہرائے دیتے ہیں۔ ''پتہ نہیں مجھے کیوں ایسا لگتا ہے'' پتہ نہیں کی تکرار جاری رہتی ہے۔ اب اگر

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

کوئی جرأت رندانہ سے کام لیتے ہوئے ان سے وضاحت مانگ لے (جس کا مستقبل قریب میں تو کوئی امکان نہیں) تو ناصر بڑے آرام سے کہہ سکتے ہیں۔ ''پتہ نہیں مجھے کیوں ایسا لگتا ہے'' مجھے پورا یقین ہوتا ہے کہ ناصر کے خیال میں کہیں بھول ہے۔ کسی جگہ کوئی کڑی رہ گئی ہے۔ لیکن ناصر کی ذہانت؟ بقول پروین شاکر

میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لا جواب کر دے گا

بس چپ کا روزہ رکھے اپنے چہرے پر مصنوعی دانش وری سجائے ان کی طرف دیکھتا رہتا ہوں۔

اکثر کہتے ہیں بس ابھی آتے آتے افسانہ لکھا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ افسانہ ادیب کے ذہن میں ہلکی ہلکی آنچ پر پکتا رہتا ہے اور جب پوری طرح پک جائے تو ادیب کا کام صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ اسے صفحے پر اتار لے۔ لیکن صفحے پر اتارنا ہی تو مہارت کا متقاضی ہے۔ ہنرمندی مانگتا ہے۔ کہانیاں تو ہر ذہن میں ہوتی ہیں۔ لیکن جو لوگ ان کہانیوں کو ہنرمندی سے صفحات کی زینت بناتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہی تو فن کار کہلاتے ہیں اور یہ بڑے کم ہوئے ہیں۔ ناصر بڑے بھولے بھالے انداز میں کہتے ہیں وقت نہیں تھا ابھی افسانہ لکھا ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ ناصر افسانہ لکھتے ہیں یا جنتے ہیں؟ لیکن سچی بات یہ ہے کہ خوبصورت افسانے لکھتے ہیں۔ مطالعہ بہت ہے اس لئے ان کے افسانے قاری سے ادبی شعور کا تقاضہ بھی کرتے ہیں۔

ناصر کا حافظہ بلا کا ہے۔ اس لئے ہر اچھی چیز ان کے ذہن میں رہ جاتی ہے۔ البتہ میٹھے اور نمکین لطیفے اس کلیے سے مستثنیٰ ہیں۔ انہیں فارسی کا بہت سا کلام ازبر ہے۔ انگریزی پڑھ کر اس داس سے پڑھی، شیلے، کیٹس اور شیکسپیئر کی بہت سی باتیں انہیں یاد ہیں۔ لیکن علمیت

نہیں جتاتے۔ ان کی تنقید سن کر یوں لگتا ہے جیسے تنقیدی شعور انہیں ورثے میں ملا ہو۔ کتنا گہرا دوست کیوں نہ ہو۔ ادبی بددیانتی سے اپنا دامن بچا کر رکھتے ہیں۔ فن پارہ اچھا ہو تو مبالغے کی حد تک تعریف کرتے ہیں۔ اتنی تعریف کہ ہم جیسے نوآموز بھی اپنے آپ کو قلم قبیلے کا فرد سمجھنے کے زعم باطل میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اگر ادیب نے تن آسانی سے کام لیا ہو تو فن پارے کی دھجیاں بکھیر کر صاحب تخلیق کے منہ پر مار دیتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں معاملے میں خود کفیل ہیں۔ اللہ نے انہیں بڑے فرمانبردار شاگرد عطا کیے ہیں۔ ان میں نوخیز بھی ہیں اور..... بھی، انہیں دیکھ کر ناسخ کے لٹھ بردار مشٹنڈوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ناصر سکول آف تھاٹ کے یہ نوجوان پشاور کے ادبی حلقوں میں ایک خوبصورت اضافہ ہیں۔ اور ناصر کی شخصیت کا ایک خوش کن پہلو یہ بھی ہے کہ یہ اپنے شاگردوں کا بڑا احترام کرتے ہیں۔

ناصر محبت کی آنچ کے پروردہ میٹھے انسان ہیں۔ میٹھے کیسے نہ ہوں جب چوتھی جماعت میں تھے تو دل پر کیوپڈ کا تیر کھایا۔ اور پھر بچپن ہی سے جس کے دل کو پیار کا روگ لگ جائے وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتا ہے۔ اس کے دل کے دروازے کھل جاتے ہیں اور تکمیل کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ میں نے ناصر کو ہر ایک سے پیار کرتے دیکھا۔ وہ رنگ، مذہب، زبان، نسل کی تصریحات سے بالاتر پیار کی کہانی ہے۔ عشق مجازی اور حقیقی کی تعریف کے قائل نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے عشق تو بس عشق ہے۔ چاہے جس روپ میں بھی ہو۔ کافی عرصے سے پشاور میں عشق کی دکان کھول کر محبتیں بانٹ رہے ہیں۔ شاعری الفاظ کی ہو، اجسام کی کہ چاہے شعر کی۔ انہیں اچھی لگتی ہے۔ ناصر کا ضمیر دو الفاظ سے اٹھا ہے اور وہ ہیں محبت اور ادب۔ ادب سے مراد صرف لٹریچر ہے اور جہاں تک محبت کا تعلق ہے تو ان کی محبت میں ہر جائیت کا پیوند لگا ہوا ہے۔ اسی لیے غم ان کے پاس نہیں آتا۔

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

ادب ان کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہا ہے۔ کئی ادیب صرف اس لیے ادبی نشستوں سے اپنا دامن بچا کر رکھتے ہیں کہ وہ نو واردان ادب کے منہ لگنا نہیں چاہتے۔ ان کی تنقید برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن ناصر کو ایسا کوئی کمپلیکس نہیں۔ وہ ہر ادبی نشست میں موجود ہوتے ہیں۔ نذیر تبسم نے کتنی خوبصورت اور سچی بات کی ہے وہ کہتے ہیں ''جب بھی پشاور کی ادبی تاریخ لکھی جائے گی تو اس کے پہلے دو تین ناموں میں ناصر کا نام ضرور شامل ہو گا۔''

اور یہ بھی نذیر ہی کا کہنا ہے کہ بندہ ضائع ہو جائے لیکن ناصر اپنا جملہ ضائع نہیں کرتے ''بالا کے بزلہ سنج ہیں۔ آغا حشر کی طرح چومکھی لڑتے ہیں۔ جملے بازی کے اس شوق کی وجہ سے کچھ لوگ ان سے نالاں بھی ہیں۔ اگر میری بات کا یقین نہ آئے تو آپ اکمل نعیم کے دل ناتواں سے پوچھ سکتے ہیں۔ اس جملے بازی سے ناصر کا مقصد مسکراہٹیں بانٹنا ہوتا ہے۔ کسی کی دل آزاری یا تضحیک ان کا مسلک نہیں۔ کہتے ہیں زیادتی کسی چیز کی بھی اچھی نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی محفل کو کشتِ زعفران بنانے کے شوق میں موصوف کی زبان سے ایسے لطیفے پھسل جاتے ہیں جو سامعین کے لیے یوم حشر میں کافی پیچیدگیوں کا سبب بن سکتے ہیں۔ شاید اس لیے ان کی کالج کے محتاط اساتذہ ان سے پہلو بچا کر نکل جانے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں۔

ناصر کی گھریلو فضا میں دوستی کا پلہ بھاری ہے۔ باپ کم اور دوست زیادہ ہیں۔ بچوں کے ساتھ بہت سی باتیں شیئر کرتے ہیں۔ بچے بھی ذہین اور پر اعتماد ہیں۔ ناصر گھر میں ہوں۔ ادبی نشستیں ہوں یا کالج۔ بلند و بالا قہقہے ہمیشہ ان کے ہمرکاب ہوتے ہیں۔ کالج میں لڑکوں کو فلمی کہانیاں سنانا، درسی کتابوں سے ہٹ کر مختلف موضوعات سے نئے نئے پہلو، نفسیاتی نکتے اور ایسے ادبی حوالے سامنے لاتے ہیں جو لڑکوں کی شعوری تربیت میں اہم

کردار ادا کرتے ہیں۔ بہترین استاد ہیں لیکن اچھے ماتحت نہیں۔ جس کالج میں ہوں وہاں کے پرنسپل کی جان پر بنی رہتی ہے۔ وقت کی پابندی سے مکمل طور پر نا آشنا ہیں۔ روایتی استاد نہیں۔ درسی کتابوں سے ہٹ کر طلباء کو بہت کچھ لکھا دیتے ہیں۔ غالب کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ شاید اسی لیے ان کی شخصیت میں غالب کی طرح نرگسیت کا عنصر غالب ہے آج کل اپنے جسم کی بے قاعدگیوں پر فکرمند ہیں اور پھر سے سمارٹ بننے کے چکر میں ہیں۔ یہ اچھی بات ہے ایسے باغ و بہار آدمی کو تندرست رہنا چاہیے۔ ان سے بہت لوگ پیار کرتے ہیں۔ ان کے بغیر پشاور کی ادبی محفلیں ادھوری ہیں۔ سارا دن ہنسی مذاق، محفلوں میں میٹھے اور نمکین لطیفے اور راتوں کو اٹھ اٹھ کر رونا اور ترلے لینا؟ میں اکثر سوچتا ہوں کہیں ان کا تعلق فرقہ ملامتیہ سے تو نہیں!

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

ناصر ایک سچا شاعر

فاروق احمد جان بابر آزاد

ناصر علی سید کی ذات ہو یا شاعری، دونوں ہی ہمہ جہت وصفت ہیں اور مختصر سے وقت میں ان دونوں کا احاطہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ناصر علی سید آسمانِ ادب کا وہ درخشندہ ستارہ ہے جو اپنی غیر معمولی روشنی کے باعث اپنے آپ کو دیگر ستاروں سے ممتاز کئے ہوئے ہے۔ وہ اپنے گردوپیش کے حالات وواقعات اور شخصیات پر گہری نظر رکھے ہوئے اپنی تقریر اور تحریر میں گویا پورے ماحول کی ترجمانی کرتا ہے۔ طبعاً بذلہ سنج اور شوخ واقع ہوا ہے۔ لطیفہ گوئی، چٹکلہ بازی اور خوش گپیوں کی وجہ سے ہر محفل کو زعفران زار بنا دیتا ہے۔

دشت کو گلستان بنا دے گا
جس جگہ ہو گا گلفشاں ناصر

وہ ایک کامیاب کمپیئر، بہترین ڈرامہ نگار، صاحب طرز شاعر، افسانہ نگار، قابل فخر استاد اور ایک بہترین دوست ہے۔ ایک دردمند دل رکھنے والا اور محبت کرنے والا انسان ہے۔

خوبی ہر رنگ تو دے شاعر یکتا داری
آں چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وہ جب کسی پروگرام کی کمپیئرنگ کر رہا ہوتا ہے تو نہ صرف موضوع سخن پر وقفے وقفے سے خوبصورت جملوں میں اظہار رائے کرتا ہے بلکہ دل موہ لینے والی گفتگو سے مقررین اور

سامعین دونوں کے دل کی آواز بن جاتا ہے۔ کسی تنقیدی مجلس میں تشریف فرما ہو تو سب شرکاء اپنی اپنی رائے دینے کے بعد ناصر علی سید کی گفتگو کو حرفِ آخر کے طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ وہ اپنے اندر ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ ایک چلتی پھرتی لائبریری، اپنی گفتگو میں مشہور انگریزی اور اردو کتب کے حوالے، روانی سے موزوں اشعار کا استعمال اور فکر وفن کے سانچے میں ڈھلے ہوئے اقوال، تاریخی اور روایتی حکایتوں کا بیان اس کا معمول ہے۔

ایک کامیاب ڈرامہ نگار اور افسانہ نگار ہے۔ بات کرنے کے سو ڈھنگ جانتا ہے۔ ثقیل سے ثقیل بات کو اس شائستگی اور شگفتگی سے کرتا ہے کہ وہ بات دل میں اترنے لگتی ہے۔ پاکستان ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان میں اس کے ٹیلی ڈرامے اور ریڈیائی ڈرامے میرے اس دعویٰ کی دلیل میں بہت کافی ہیں۔

اس جادوئی شخصیت کا اعجاز ہے کہ الفاظ اس کے سامنے دست بستہ غلاموں کی طرح کھڑے ہوئے ہیں اور وہ حسب ضرورت ان کا بہتر سے بہتر استعمال کرتا ہے۔ اس کی شاعری ہو، کالم ہوں یا ڈرامے گویا نظم اور نثر دونوں میں الفاظ کا چناؤ اور ان کا برملا استعمال یوں نظر آتا ہے جیسے صفحہ قرطاس پر موتیوں کی مالا پرو دی گئی ہو۔

اس کی محفل میں بیٹھ کر نہ صرف محظوظ ہوتے ہیں بلکہ میری طرح بہت کچھ سیکھتے ہیں۔ وہ ایک ایسا استاد ہے جو صرف درسی تعلیم ہی نہیں بلکہ اپنے شاگردوں کی روحانی تربیت بھی کرتا ہے اور انتہائی سلیقے سے اصلاح ورہنمائی کا فریضہ ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے شاگرد اپنی محفلوں میں اپنے محبوب استاد کی شرکت وشمولیت کو اپنے لیے باعث افتخار تصور کرتے ہیں وہ تمام عمر کے لوگوں میں یکساں مقبول ہیں اور اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

بڑے بوڑھوں کیساتھ بوڑھا ہے
نوجوانوں میں نوجواں ناصر

میں اس کی زندگی کے کون کون سے گوشے دریافت کروں۔ چند سطور اس کی شاعری پر ''شامیں فریب دیتی ہیں'' ناصر علی سید کا وہ مجموعہ کلام ہے جسے اس نے چشم فسوں گر یعنی ہماری بھابھی رفعت کے نام کیا ہے اور یہ اس کی لافانی محبت کا اظہار ہے جو کتاب میں اس نے آنیوالے تمام ادوار کیلئے محفوظ کر لیا ہے۔ کیونکہ وصی شاہ کے الفاظ میں۔

ایک ہی آس ہی کافی ہے مرے جینے میں
دل نہیں آپ دھڑکتے ہیں میرے سینے میں

''شامیں فریب دیتی ہیں'' میں ناصر علی سید نے بے شمار موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے حسب روایت رومانی کے علاوہ حب الوطنی، تہذیبی ورثے سے لگاؤ، مذہبی اور اخلاقی اصولوں کی پاسداری اور خاص طور پر اپنے عہد کی سختیوں اور چیرہ دستیوں پر خوبصورت انداز میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔ ایک سچا شاعر اپنے وقت کا بے باک ترجمان ہوا کرتا ہے۔ وہ حقیقی ماحول سے لاتعلق ہو کر صرف اور صرف تصوراتی اور تخیلاتی دنیا کے تانے بانے نہیں بنتا، بلکہ اپنے فن کی تکمیل کیلئے جیتی جاگتی دنیا سے مواد حاصل کر کے اسے میرے اس شعر کے مصداق الفاظ کا پیکر دیتا ہے کہ۔

جو دل پہ گزری ہے شعروں میں ڈھالنے کے سوا
بیان کیسے کریں ہم مشاہدات کا دور

حقیقت کا یہ متلاشی بادہ و ساغر کے پیرائے میں بھی مشاہدہ حق کی گفتگو کرتا ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ زبوں حالی کو دیکھے اور خاموش رہے یا جبر و استبداد کی گھٹا ٹوپ رات کو وقتی مصلحتوں کے تحت حق و انصاف کی صبح صادق کہتا رہے گو ایسے معتدہ گو شاعر ہر دور میں

پیدا ہوتے رہے ہیں۔ جو خلوتِ ناضرہ کے مومن آبروئے فن کا بآسانی سودا کرتے رہے ہیں۔ مگر ایک سچا شاعر زہر ہلاہل کو کبھی قند نہیں کہہ سکتا۔ ناصر کس خوبصورتی سے کہہ رہا ہے۔

چین ہی چین لکھتا ہے راوی
جانے کس دیس کا یہ قصہ ہے

ناصر علی سید کو صوبہ سرحد کی ادبی اور مجلسی تاریخ میں ایک اہم اور مستقل مقام حاصل ہے۔ جس کو حاصل کرنے کے لیے اس نے بے پناہ محنت کی ہے اور اسی محنت کا ثمرہ ہمیں ''شامیں فریب دیتی ہیں'' ..... میں دیدہ زیب چھپائی اور مدزت کی رنگینیوں کیساتھ پڑھنے کو دستیاب ہے۔

ناصر علی سید کو دیکھتا ہوں تو ساحر لدھیانوی کے اس شعر کی تصویر نظر آتی ہے کہ۔

ہم نے ہر دور میں محنت کے ستم جھیلے ہیں
ہم نے ہر دور کے چہرے کو ضیاء بخشی ہے

ناصر علی سید ایک سچا اور سچا شاعر ہے۔ بالکل ایک معصوم بچے کی مانند جو دنیا میں موجود ہر شئے کا تجسس رکھتا ہے اور ہر چیز کی ماہیت معلوم کرنے کے لیے اس کا مکمل آپریشن کرتا ہے۔ شرارتیں ہی کرتا ہے۔ لیکن سچائی کو ڈھونڈ نکالتا ہے۔ ناصر اس نامساعد دور میں اپنے بچپن سے نکلنے کی کوشش بسیار کے باوجود نکل نہیں پایا۔ اسے بچپن ہمیشہ سے پکارتا رہا ہے۔ کیا خوب کہتا ہے کہ۔

جگنو، کبھی تتلی، کبھی خوش رنگ غبارہ
ہر دوسرے لمحے ہمیں بچپن نے پکارا

ناصر علی سید کو موت کے اٹل ہونے پر یقین کامل ہے اور یہی ایک مومن کی نشانی ہے۔ کس خوبصورت طریقے سے رقمطراز ہے کہ۔

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

ایک دن لے چلے گا ساتھ مجھے
آخری گیت گنگناتا دِن

ناصر کی سچائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنا مافی الضمیر لگی لپٹی کے بغیر بلاکم وکاست کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے اور اس میں وہ کسی رواداری کا قائل نہیں ہے۔ مثلاً

آنیوالی نسل پہ احسان ناصر یہ کیا
سچے بزرگوں سے نہ پایا لیکن ان کو دیدیا

علم وعرفان کے اس پیکر اور سچائی کے علمبردار ناصر علی سید کی شاعری پر گفتگو کا اہتمام کرنیوالے ادارے ''حلقہ ارباب ذوق پشاور شاخ'' کے مہتمم اور ان کی ٹیم کو میں مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے ایک سچے شاعر کا بھرپور تعارف کروانے کیلئے یہ محفل سجائی۔ نوشی گیلانی کے اس شعر کو ناصر علی سید کے نام کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

روشنیوں کے سارے منظر جھوٹے لگتے ہیں
لیکن اس کی آنکھ کے آنسو سچے لگتے ہیں

فریبی شاموں کا سچا شاعر

سید زبیر شاہ

ناصر علی سید چمستانِ ادب کا وہ پرندہ ہے جس نے اپنی سریلی آواز سے گردوپیش میں کھلنے والی ہر نئی کلی کے رنگ وخوشبو کو اپنی آواز سے معتبر بنانے میں کمال سخاوت کا مظاہرہ کیا ہے۔ صوبہ سرحد کے ادبی منظرنامے پر ان کی شعری کاوش ''شامیں فریب دیتی ہیں'' یقیناً قابلِ ستائش اضافہ ہے۔ جس میں انکی تخلیقی قوت اور شاعری آہنگ پوری شدت سے ابھر کر سامنے آیا ہے۔

ناصر علی سید نے اپنے طرزِ اظہار سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ محسوس کرنے والا ایک زندہ شاعر ہے جو دل کے جذبات اور دنیا کے رویوں کو محسوس ہی نہیں کرتے بلکہ احساسات کے اس دائرے میں جب وہ مختلف تجربات سے گزرتے ہیں تو اس کا برملا اظہار بھی کرتے ہیں۔ رخشِ عمر پر سوار وہ زندگی کے اس سفر میں ہر لمحے کو اپنے دامن میں بھر لینے کی تمنا رکھتے ہیں۔ انہیں زندگی کے ہر پہلو اور ماضی کی ہر روایت سے محبت ہے اس لئے وہ کسی موڑ پر کسی قیمت پر بھی اسے کھونا نہیں چاہتے۔ ان کی شاعری میں جو بنیادی بات سامنے آتی ہے وہ روایتوں کے فنا ہونے اور زندگی کے لمحوں کو کھونے کا دکھ ہے۔

گزرے ہوئے وقت کی یادیں ان کے لیے معاشرے کی بے حسی سے جائے پناہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس لیے جب وہ ایک معصوم اور بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح شام کے دامن میں پھیلتے ہوئے اندھیروں سے خوفزدہ ہوتے ہیں تو دن کے اجالوں کو واپس بلاتے ہیں۔ ایسے ہی بہتے ہوئے مناظر ان کی آنکھوں میں اتر آتے ہیں اور وہ اپنی سوچوں میں

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

گزشتہ لمحوں کو تلاشنا شروع کر دیتے ہیں۔

نظر میں دھول پرانی رفاقتوں کی لیئے
گلی سے تیری میں چپ چاپ سا گزرتا ہوں
مری مٹھی سے پھسلے ریت لمحے
انہی کو سوچتا ہوں ' کھوجتا ہوں

بے بسی کے اس عالم میں وہ وقت کی آہٹیں سن کر شعر گنگناتے ہیں تا کہ تنہائی کے اس عذاب سے بچا جا سکے جو اس سے لپٹ چکا ہے۔

ہے دیکھنے میں تو کتنا ہی خوش نما جنگل
جو دل کی آنکھ سے دیکھو تو ہر شجر تنہا

اس بار تنہائی کو اٹھائے وہ زندگی کرنے کے لیے در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ لیکن ان کو کوئی اپنا ٹھکانہ نہیں ملتا جہاں تنہائی کے اس بوجھ کو اتار کر پھینکا جا سکے۔ اور جب کہیں بھی کوئی ہمنوا اور ہم خیال نہیں ملتا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ:

سوائے دربدری اور کون جانے ہے
کہ میرے شہر کے نقشے میں' میرا گھر بھی نہیں

وہ بے حسی کے حصار میں قید ضرور ہیں لیکن مایوس ہونے کی بجائے ان کی شاعری میں امید کا دیا روشن نظر آتا ہے۔ وہ ہر حال میں معاشرے کے ناروا اور زوال آمادہ اخلاقی رویوں کو بلند کرنے کی آس لگائے رکھتے ہیں۔

ریاضتیں ہوں مسلسل تو پھول کھلتے ہیں
محبتوں کا شجر ایسا بے ثمر بھی نہیں

شعر و ادب سے ان کی وابستگی بہت گہری ہے۔ اسی لیے وہ شاعری کو وقت گزارنے کا مشغلہ نہیں سمجھتے بلکہ خونِ جگر سے اس چمن کی آب یاری کرتے ہیں ان کا ایمان ہے کہ:

کسی کو شاعری ورثے میں تھوڑی ملتی ہے
یہ خونِ دل سے نہ سینچو تو معتبر بھی نہیں

شاعری سے ان کا یہ بے لوث لگاؤ ہی ان کی مترنم ردیفوں میں ایسی موسیقیت بھر دیتا ہے کہ پڑھتے ہوئے قاری کا دل وجد میں آ کر جھومنے لگتا ہے اور دھڑکنیں رقص کی آواز بن جاتی ہیں۔

سانس کے پاؤں میں گھنگھرو بولیں
لے کو مدھم نہ کرو ' رقص کرو
اس گھٹن کا ہے یہی حال ناصرؔ
روز و شب رقص کرو ' رقص کرو

وجد کی اس کیفیت میں وہ غم ہائے عشق و روزگار کو بھلانے کا درس دیتے ہیں۔ لیکن اس عمل میں جب وہ ذات کی راہداریوں میں اترتے ہیں تو زندگی کے بے شمار حقائق ان پر آشکار ہوتے ہیں۔ یہ ادراک ان کے لیے کہیں کہیں عذابِ جاں بھی بن جاتا ہے جس کا خمیازہ ان کو بھگتنا پڑتا ہے۔

اکیلا کر دیا یاروں نے ناصرؔ
بہت ہی آگہی مہنگی پڑی ہے

وہ جب لوگوں کی چالاکی اور عیاری پر کڑھتے ہیں تو ان کی معصومیت پر قاری افسوس کرنے لگتا ہے کیونکہ وہ دنیا کے ہاتھوں میں ایک کھلونا نظر آتے ہیں۔ ان کے حریف اپنی شاطرانہ چالوں سے ہر بازی جیت جاتے ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی۔

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

حریف لے اُڑے اس کو لگا کے باتوں میں
میں بے ہنر تھا میری ان کہی نمایاں تھی
نہ تیرے در کا نہ اپنے ہی گھر کا رہنے دیا
کیا ہے کیسا ہے یہ ہم سے ترے جہان نے ہاتھ

لوگوں کے ان ہی ناقابلِ برداشت رویوں کی وجہ سے وہ کبھی کبھی اس قدر بے زار ہوتے نظر آتے ہیں کہ وہ اندرونِ ذات تبدیلیاں محسوس کرنے لگتے ہیں۔ جن پر وہ حیران ہی نہیں پشیمان بھی ہوتے ہیں۔

ناصر علی سید کا کمال یہ ہے کہ وہ بڑی بات کے لیے چھوٹی بحروں کا استعمال کرتے ہیں اور اختصار کے ساتھ ساری تفصیلات بیان کر دیتے ہیں۔ گویا وہ دریا کو کوزے میں بند کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ وہ ان کی شاعری میں فلسفیانہ پیچیدگیاں اور ثقیل الفاظ قاری کو الجھاتے نہیں بلکہ انتہائی سادگی سے ان کا مدعا قاری تک پہنچاتے ہیں۔ وارداتِ عشق کے بیان میں ان کا لہجہ نہایت شستہ اور صاف ہوتا ہے اس لیے سہل ممتنع کے حوالے سے بہت ہی خوبصورت اشعار ان کے ہاں ملتے ہیں۔

ورق کچھ ڈائری میں رہ گئے ہیں
جوانی کو دوبارہ ڈھونڈتا ہوں
آج دن بھر تجھے نہیں دیکھا
آج کا دن نہیں تھا میرا دن

عشق میں قربانی کے جذبے سے سرشار ہونے کے باوجود اپنی انا کو کہیں بھی ٹھیس نہیں پہنچاتے۔ وہ اپنے عشق کو محبوب کے قدموں میں ڈال کر بے جا رسوا کرنے کی بجائے محبوب سے کچھ تقاضے بھی کرتے ہیں۔

تم ہی کچھ حرفِ محبت کے عطا کر دیتے
میری جادو بھری تحریر تمہاری ہوتی

اس دائرہ عشق میں ایک مقام ایسا بھی آ رہا ہے جب وہ ذات اور تشخص کا اظہار کرتا ہے۔ تو قاری کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

تجھے پانا ضروری یا کہ پھر کھونا ضروری ہے
ضروری ہے نہ ہونا یا مرا ہونا ضروری ہے
ادھورے کام ہیں کتنے مگر اک دو تو ایسے ہیں
دمِ رخصت سے جن کا پیشتر ہونا ضروری ہے

ان ادھورے کاموں میں ان کے نزدیک جس کام کی تکمیل اولیت کا درجہ رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ

بہت نفرت کی فصلیں کاٹ لیں برباد ہو بیٹھے
محبت کا دلوں میں بیج اب بونا ضروری ہے

معاشرے کی ناہمواریوں کو دیکھتے ہوئے وہ محبت کا یہ بیج بونا اس لیے بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ دورِ جدید کی پٹڑی پر زندگی کی ریل جس تیزی سے دوڑ رہی ہے وہ محبت اور مروّت کے جذبات کو کچل رہی ہے۔ جذبات کے معدوم ہونے کا دکھ اس شعر میں نمایاں نظر آتا ہے۔

جبر ہے یہ موسم کا، ہم نے ان دنوں ناصرؔ
یار کی گلی جانا فرصتوں سے باندھا ہے

لیکن ناصر علی سید کی شاعری کے مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ وہ وقت اور موسموں کے جبر کو اپنے اوپر حاوی ہونے نہیں دیتے۔ سینہ سپر کھڑے رہتے

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

ہیں۔ یہاں تک کہ آزمائشوں کی خاطر وہ وقتوں سے قفس میں دل لگانے لینے پر بھی آمادہ ہوتے ہیں لیکن جب اپنے دکھ دیتے ہیں تو ان کے اندر سے ٹوٹنے کی آواز آتی ہے۔ وہ علم بغاوت بلند کرنا چاہتے ہیں لیکن حریفوں میں انہوں کو دیکھ کر وہ ہونٹ مقفل کر دیتے ہیں۔

میں دشمنوں کے ستم حرف حرف کہہ دوں گا
مگر وہ کیسے کہوں دکھ' جو بھائی دیتے ہیں

اور ان تلخیوں کو برداشت کرتے کرتے جب وہ اپنی زبان کھولتے ہیں تو ان کے لہجے میں ان تلخ تجربات کا زہر بھرا ہوتا ہے۔ رشتوں کی اس بے حسی پر ان کی شاعری میں گہرا طنز در آتا ہے۔

کہنے کو جو یوسف سر بازار گیا ہے
اس قصے میں تو مصر کا کردار گیا ہے

ناصر علی سید کا دل ایک سمندر ہے جس میں مختلف جذبوں کی لہریں اٹھتی ہیں۔ اپنی مٹی سے محبت ان کی سرشت میں شامل ہے۔ اس لیے ان کی شاعری میں' گھر' گاؤں' شہر اور وطن سے اظہار محبت جگہ جگہ ملتا ہے۔

مرے موسم تری آب و ہوا میں سانس لیتے ہیں
کہ بچے جس طرح ماں کی دعا میں سانس لیتے ہیں
وطن سے پیار جو الزام بھی کبھی ٹھہرے
تو پورے فخر سے خود پر یہ تہمتیں رکھنا

موسموں سے ایسا والہانہ لگاؤ ہے کہ اس سے جدائی کا خیال ہی ان کے اندر ایک واویلا مچا دیتا ہے۔

پرندے شاخ پر نقل مکانی سے ذرا پہلے
پروں میں دے کے سر آہ و بکا میں سانس لیتے ہیں

اور وقت کی ستم ظریفی اگر ان کو اپنی مٹی سے جدا کرتی ہے تو ہجرت کے عالم میں ان کی بد حالی کا احساس اس شعر میں نظر آتا ہے۔

کبھی جب گاؤں کی میٹھی سی چھاؤں یاد آ جائے
عجب اک عرصۂ کرب و بلا میں سانس لیتے ہیں

وہ ایک اچھے شاعر اور سچے محبِ وطن کی طرح اپنی مٹی کی خوشبو سے اپنے سیاسی شعور کی پرورش کر کے اسے بیدار رکھتے ہیں۔ یہ بیداری ان کو وقت کی بساط پر چلنے والی تمام چالوں سے آگاہ رکھتی ہے۔

اب بساطِ وقت پر شاید تماشا اور ہو
گرنے والا اور ہو اور اٹھتا پردہ اور ہو

زیر تذکرہ مجموعہ میں زندگی کے حقائق کو خوبصورت مناظر میں پینٹ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ جو شاعر کی قادر الکلامی کا ثبوت ہے۔ مثلاً

اب تو ہر شخص نے چہرے پر لہو پہنا ہے
کون مقتل میں تھا اس خاک بہ سر سے پہلے
اب جو آبادِ محبت ہوں' تھا برباد بہت
بور آتا ہے شجر پر بھی ثمر سے پہلے

یہ احساس ان کو کانٹے کی طرح چبھتا ہے کہ ان کے معاشرے میں حق کی آواز اٹھانے والا کوئی نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ نظام تبدیلی چاہتا ہے لیکن تبدیلی لانے والا زبانوں پر قفل لگائے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ وہ کھڑے پانی میں کنکر پھینکنے والوں کا منتظر نظر

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

آتے ہیں اور جب ماضی اور حال کا موازنہ کرتے ہیں تو دوہرے عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ دیکھتے بھی ہیں اور سوچتے بھی ہیں۔

کل سے کیوں یہ آج ہے بدتر ، پہروں سوچتا رہتا ہوں میں
کب ٹوٹے گا چپ کا پتھر ، پہروں سوچتا رہتا ہوں میں
اس بستی کے سارے باسی آنکھوں والے پھر کیوں ناصرؔ
بانجھ صدائیں سوچیں بنجر ' پہروں سوچتا رہتا ہوں میں

ان کی شاعری میں کلاسیکی شعراء کا رنگ بھی جھلکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں روایتوں کی پاسداری کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں ماضی کا تذکرہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں اپنے پرکھوں کی ہر بات عزیز ہے۔ اس ضمن میں وہ مذہب کے حوالے سے مقدس ہستیوں کو جگہ جگہ خراج تحسین پیش کر کے انہیں یاد کرتے ہیں۔ ماضی کے بہت سے معتبر حوالے ان کی شاعری میں موجود ہیں جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ انہوں نے ماضی کے ہر دھاگے کو پکڑ کر رکھا ہے۔

جو بات ذات پہ آئے ' عدو کو چھوڑ سکوں
سبق امام کا شامل جو میری خو میں رہے
وہ ایک شام کہ ڈھل کر لہو سے نکھری تھی
اُسی کی آج بھی دنیا پہ سائبانی ہے

انہوں نے قدیم رنگ میں غزل کہ کر نہ صرف قدماء کو یاد کرنے اور انہیں خراجِ عقیدت پیش کرنے کی روایت کو نبھایا ہے بلکہ اپنی شاعری میں بہت سے متروک الفاظ کو نئی زندگی دے کر زبانِ اردو پر احسان بھی کیا ہے۔

کبھو کو پاس تیرے دیکھ کر رگ رگ کھچی جاوے
کبھو دیکھو کہ پھر کس طرح سے دل خود کو کھاوے ہے

ان کی شاعری کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ کلاسیکی شعراء کی طرح فلک سے شکوہ شکایت کرتے کرتے جب زندگی کے راستوں پر آگے بڑھتے ہیں تو غیر محسوس طور پر ان کی شاعری میں جدید طرزِ اظہار بھی در آتا ہے اور یہی ان کا کمال ہے کہ اپنی شاعری کی کسی جہت کو ادھورا نہیں چھوڑا جہاں ان کا جمالیاتی طرزِ اظہار قاری کے لیے تشفی کا باعث بنتا ہے وہاں ان کی شاعری میں جدید رنگ بھی اپنے ہونے کا باور کرانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ قدیم سے جدید تک کا یہ فاصلہ وہ ایک ہی جست میں طے کرتے ہیں۔ ان کے ہاں ایسے بہت سے اشعار ہیں جو ہم سے بار بار پڑھنے کے متقاضی ہیں۔

چاروں جانب جبڑے کھولے کالی بلاؤں کا سایا ہے
بے چینی کے خوابوں سے بھی جاگ کے میں نے کیا پایا ہے
دکھاتا دور سے ہے دودھ کی اور شہد کی نہریں
مگر ان تک پہنچنے کے کبھی ویزے نہیں دیتا
خواب کے جزیروں میں بے اماں ہواؤں نے
کج ادا چراغوں کو وحشتوں سے باندھا ہے

ان کی شاعری میں محبت اور انسان دوستی کا پیغام موجود ہے۔ اس سلسلے میں کہیں تو ان کے ہاں نصیحت کا رنگ در آتا ہے تو کیں کاٹ دار طنز لیکن وہ ہر حال میں اُس معاشرے کے باسیوں کو امن و آشتی کا درس دیتے ہیں جس میں وہ خود رہ رہے ہیں

جب ملے جنگ سے فرصت تو ذرا گن آ کر
فاختاؤں کے یہ جھلسے ہوئے پر کتنے ہیں

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

ناصر علی سید کی شاعری پڑھنے کے بعد یہ یقین محکم ہو جاتا ہے کہ ان کا پیمانۂ دل جذبۂ محبت سے لبریز ہے اور ان کی ہر دھڑکن، ہر سانس اور جذبے کو گنگناتی ہے۔ وہ محض ذاتی دکھ کی بات نہیں کرتے بلکہ ہر انسان کی مصیبت اور پریشانی کو اپنے دل میں جگہ دے کر پوری دنیا پر اپنی محبت نچھاور کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی پیشتر نظمیں بالخصوص ''کراچی'' سونامی پر لکھی گئی نظم ''دسمبر آخری سانسوں پہ ہے'' ''یوم کشمیر کے حوالے سے'' ''نیا عہد نامہ'' اور ''محفوظ کل کے لیے ایک دعا'' اس جذبے کی ترجمان ہیں۔ نظم ہو یا غزل انہیں دوسروں کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔

فلک پر مشورے پھر ہو رہے ہیں
زمین زادے مزے سے سو رہے ہیں
تلاشِ آب میں تھک ہار کے سب
سرابوں کے کنارے سو رہے ہیں

اس کے علاوہ چند لفظیات ان کی شاعری میں ایسے ہیں جو بار بار ہماری توجہ اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ مثلاً گھر، گاؤں، شہر، سفر، شام، یاد، تنہائی، انتظار، چاند، دن، ہنر اور خسارہ یہ تمام الفاظ بظاہر عام نظر آنے کے ان کی شاعری میں ہر بار نئی تازگی اور خصوصیت کے حامل ہیں۔ غرض وہ قاری کو الفاظ کی بھول بھلیوں میں نہیں بھٹکاتے کیونکہ وہ سیدھے اور تیکھے انداز میں بات کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ ماضی کی باز یافت ہو یا حال کا دکھ، مٹی سے محبت کا اظہار ہو یا اپنوں کی بے اعتنائی کا گلہ، انسانیت کا کرب ہو یا اخلاقی زوال کا شکوہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اپنی انفرادی آواز کا احساس دلا دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے الفاظ نقش بر آب نہیں کہ لہر کے آنے سے مٹ جائیں۔ بلکہ ان کی ہر بات دل کی تختی پر نقش ہو کر امر ہو جاتی ہے۔

''شامیں فریب دیتی ہیں''

رئیس احمد مغل

صوبہ سرحد میں کئی برس سے ادبی کتابوں کی اشاعت تعطل کا شکار تھی۔ اب یہ خزاں مآب تسلسل اچانک ٹوٹا ہے۔ پروفیسر ناصر علی سید کا شعری مجموعہ ''شامیں فریب دیتی ہیں'' اس نو بہار رت کا ایک سجیلا جھونکا ہے۔ شفق رنگ سرورق سے شروع ہونے والا صوری حسن کتاب کے آخری صفحے تک جاری و ساری ملتا ہے۔ یہ شعری مجموعہ خوبصورتی کے حوالے سے ان کتابوں میں سے ہے جنہیں دیکھتے ہی ان پر بے طرح پیار آتا ہے۔ اس شعری مجموعے میں یوں تو ٹپہ، ہائیکو اور نظم بھی ملتی ہے لیکن تعداد کے لحاظ سے اردو کی بانکی صنف، غزل کا پلہ سب سے بھاری ہے۔ اس مجموعے سے ناصر ایک ایسے حساس تخلیق کار کے صورت میں سامنے آئے ہیں جو واضح طور پر اپنے آپ کو تیسری دنیا کا فرد پاتے ہیں۔ شاعر کا طرز احساس، محرومیاں، خوشیاں اور تمنائیں یہ سب عناصر اپنی شناخت مظلوم اور مقہور تیسری دنیا کے فرد کی حیثیت سے کرتی نظر آتی ہے۔ اس شناخت کے ساتھ ہم اگر یہ دیکھیں کہ ان کے ہاں کیا چیز نئی ہے۔ یا وہ کون سا پہلو ہے جو ان کی شاعری کا بنیادی نکتہ کہلایا جا سکتا ہے۔ تو میرے نزدیک وہ جمال بطور قدرِ انسانی ہے۔ سکہ بند ترقی پسند شاعری کے بعد والے دور میں اردو شاعروں کا آدرش بہت متنوع صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ ناصر علی سید کے سارے دکھ، ذات سے لے کر کائنات تک، صرف اور محض بدصورتی کی دین ہے۔ اس کا احتجاج ہر جگہ بدصورتی کے خلاف ہے۔ اس کے شعر کی ہر شرارت، ہر خوشی اور ہر امنگ صرف خوبصورتی سے جنم لیتی ہے۔ یہاں

www.caarwan.com

Scanned with CamScanner

خوبصورتی سے مراد ظاہر ہے کہ احساس جمال اور جمالیاتی آدرش ہے جس کو ہم محض جدلیاتی تناسب یا مادی آہنگ تک محدود نہیں کر سکتے۔ یہی وہ بنیادی فرق ہے جو ناصر کو اردو روایت میں دیگر رومانی شعراء سے امتیاز بخشتا ہے۔ اختر شیرانی اور عدم کے ہاں احساس جمال مادی سطح تک رک جاتا ہے لیکن ناصر کے ہاں یہ زندگی کے بارے ایک رویہ ہے جس میں جذبات سے آگے بڑھ کر تعقل اور تدبر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے میرے محدود مطالعے کی حد تک ناصر علی سید اردو شاعری میں زندگی کا ایک بہت انوکھا رخ سامنے لائیں ہیں۔ اس دور میں جب سیاسی، سماجی اور اخلاقی نکتہ ہائے نظر اردو شاعروں کے ہاں مقبول اور رائج ہیں ناصر علی سید کی یہ عطا اردو شاعری کو بہت ثروت مند بنا سکتی ہے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ اگر ان کے ہاں یہ نکتہ شعوری طور پر برتا گیا تو اردو میں جمالیات کو بطورِ قدر انسانی کا رخ عطا کرنے کے باعث ناصر علی سید کی شاعری کئی صدیوں تک زندہ رہے گی۔

اس بنیادی بات کے بعد اگر ہم مختلف عناصر کا تجزیہ کریں تو لہجوں کے حوالے سے ''شامیں فریب دیتی ہیں'' ایک جرات مندانہ مثال ہے۔ خالص ہندی طرز، فارسی آمیز تراکیب، عربی قصیدے اور مرثیے کا آہنگ آپ کو اس ایک کتاب میں یکجا ملے گا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس حوالے سے ناصر علی سید کسی بھی تعصب اور شعوری کاوش کو گناہ سمجھتے ہیں۔ جس رنگ اور جس مزاج میں جو لہجہ اچھا لگا اپنا لیا۔ لمحہ موجود کی کیفیت جس طرح نازل ہوئی اسے اسی طرح محفوظ کرنے اور آگے بڑھانے کا رویہ ناصر کے ہاں بہت عام ہے۔ مختلف لہجوں کی ایک جھلک سماعت فرمائیں۔

کم سے کم گھر میں تو نکلو خود سے
محتسب سے نہ ڈرو رقص کرو

ایک نعرہ تنانا ہو یا ہو
یعنی اک جام بھرو ، رقص کرو
وقت کے پھیر نے کب کون بچا ہے لیکن
میری تقدیر کے پر کار ، ذرا آہستہ
ہوئے تھے چھلنی تو کیو پڈ کے تیر سے دونوں
مگر یہ کیا کہ ہوا مجھ پہ ہی اثر تنہا

اور قدیم رنگ میں یہ شعر دیکھئے کہ:

تمہارے جسم کو چھو کر عجب شوخی دکھاوے ہے
نہیں تو عام سا یہ پیرہن کب دل کو بھاوے ہے

نظموں کے حوالے سے میری رائے یہ ہے کہ ناصر علی سید نظم میں ڈرامے کی تکنیک استعمال کر جاتے ہیں۔ وہ قاری کو مختلف اجزا تھما کر اچانک ان سے بن جانے والی تصویر دکھا کر اسے حیران کرنا چاہتے ہیں میری مراد ان نظموں سے ہے جو مرحوم دوستوں کی یاد کے تاثر کو بیان کرتیں ہیں۔ ان میں جو ہر میر کے لیے لکھی گئی نظم ''سبز قدم دن'' پڑھ کر بے ساختہ ذہن عربی مرثیے کی طرف چلا جاتا ہے جس میں احساس اپنی پوری شدت لیکن سادگی سے بیان ہوا ہے۔

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

ناصر

قدسیہ قدسی

بساط زیست میں ناصر تیرا ہونا ضروری ہے
تو بزم یار کی خاطر تیرا ہونا ضروری ہے
یہاں بے ذائقہ، بے رنگ و بو بے چہرہ دنیا میں
جمال و رنگ کے شاعر تیرا ہونا ضروری ہے

افسانہ، ڈرامہ اور نظم، صوفی شاعری ابلاغ کے مختلف پیمانے ہیں ایک طرف کیتھارس کا عمل رہتا ہے اور ساتھ ہی اصلاح معاشرہ بھی۔ ناصر چونکہ بنیادی طور پر افسانوی دنیا کے مالک و خالق ہیں اس لئے ان کی شاعری میں تغزل کے علاوہ افسانوی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ شامیں افسانوی رنگ ہمیں ان کی ان نظموں میں جو رفتگاں، کی یاد میں ہیں، ملتا ہے۔ خصوصاً اعجاز راہی کیلئے۔ چونکہ مرحوم کہانی کار، افسانہ نگار تھے، اس لئے ناصر نے وہی اسلوب و انداز اختیار کیا ہے۔ مجموعے میں ہر دو نظموں، غزلوں کے بعد بچپن، ماضی اور گاؤں کی طرف مڑ مڑ کے دیکھنے کا عمل جاری رہتا ہے۔

خود ہی شہر کی سمت مڑا تھا گاؤں سے
جانے مڑ مڑ پھر کیوں اس کو تکتا ہوں

بچپن اور ماضی سے محبت سچے شاعر کی پہچان ہے اور ''بشرط استواری'' تغزل سے بھرپور نظم اور اس لائن یا مصرعہ پر کہ محبت وقت اور موسموں کی ترتیب سے آزاد ہوتی ہے۔ بہت برباد کرتی ہے تو خود آباد ہوتی ہے۔ اس پر تو بڑے بڑے شعراء کے دیوان نثار ہو

جائیں۔ جیسے مومن کے شعر پر غالب کا دیوان اور تخیل ہے کہ اب ان سیہ زلفوں کے بادل خود ہی پیاسے ہیں۔

تو صبح کی شیتل چھایا تو جاڑے کی دھوپ

مصرعہ میں گوری کا روپ کتنا سکون، کتنی شانتی، کیسی سرشاری اور کیا من ٹھار عطاء کرتا ہے۔ ہندی کے ایسے خوبصورت الفاظ کا استعمال کہ اصل حسن ان کے سامنے ماند پڑ جائے۔ جھلمل بندی، کاجل شین، پورن ماشی رین۔ اس گیت نے مجھے اس گاؤں میں پہنچا دیا جہاں بچپن گزارا تھا۔ اس گیت کے حصار میں جکڑی گئی کہ جہاں پورن ماشی کی رات عام طور پر گھروں میں لائٹس آف نہیں کرتے تھے۔ میں ایک پورن ماشی کی رات کسی شادی کی رات چھت پر، دلہن کی جھلمل بندیا، تاروں بھرے آنچل، شیشہ کاری سے مزین پوشاک، اس سماں اور اس گیت نے مجھے گھنٹوں اپنے سحر میں جکڑے رکھا اور میں بڑی مشکل سے وہاں سے واپس لوٹی۔ ویسے مجھے کچھ زیادہ سمجھ نہیں آئی کہ اس گیت اور سماں میں کیا ربط تھا۔ اور جب ناصر یہ کہتے ہیں

جاتے جاتے مڑ کے جانے کس لئے تکتی رہی
سیدھی سادی ایک لڑکی نے مجھے الجھا دیا

خوبصورت صنعت تضاد کا استعمال ہوا۔ سیدھی سادی کے ساتھ الجھنا کا لفظ خوبصورت تصویر کشی کی ہے۔ ہر بات کو نئے زاویے سے دیکھنا۔ نئے مفہوم اخذ کرنا ناصر کا کمال ہے مثلاً

تقریب تیری یاد کی کمرے میں بپا تھی
میں صدر بھی، سامع بھی تھا، خود بول رہا تھا

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

''شامیں فریب دیتی ہیں''

تنویر احمد

شام کا وقت ۔ اپریل کی بارش ،ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ، میں اپنے گھر کی چھت پر ایک ٹین کے چھپر تلے بیٹھ کر'' شامیں فریب دیتی ہیں'' کی ورق گردانی میں مصروف ہوں ۔ ناصر علی سید کے کلام کو کتابی شکل میں دیکھ کر دل خوش ہوا اور اسلیئے اسے پڑھنے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کیا جہاں دوسروں کی مداخلت سے بچا رہوں ۔ جب کتاب پر طائرانہ نظر ڈالی تو سب سے پہلا تاثر اس مجموعہ کلام کے بارے میں یہ ابھرا کہ برسہا برس کی ریاضت کے بعد جو فن پارہ عالم وجود میں آیا ہے اسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ تخلیقی کام کے لیے جس خبر اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے اس سے ہمارا تخلیق کار شعوری طور پر باخبر ہے ۔ دوران مطالعہ کلام کی بہت سی پرتیں تہہ در تہہ واضح ہوتی چلی گئیں ۔ ماضی کی یاد بے بچھڑے ہوئے پیاروں کا نوحہ'' شامیں فریب دیتی ہیں'' ۔

ماضی کے حوالے سے T.S. Elist نے کہا تھا کہ ماضی کبھی نہیں مرتا یہ حال میں زندہ رہتا ہے ۔ ناصر کی شاعری کی بھی کچھ ایسی صورت بنی ہے ۔ اس کی شاعری میں ماضی کی خوشگوار یادیں جگہ جگہ جھانکتی نظر آتی ہیں ۔

جس ریت پہ مل جل کے بنایا تھا گھروندا
سچ بات وہ دریا کا کنارہ نہیں بھولے

کھیل بچپن کے لڑکپن کے بہت دلکش تھے
اس زمانے میں کہاں یادِ دگر جائیں گے

ہمارے شاعر کا اپنے بارے میں کہنا ہے'' اور اب پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو اونگھتی ہوئی کتنی ہی بے خواب راتوں کے جاگتے دریچوں کے ٹھنڈے شیشوں پر فریب دیتی ہوئی کٹھور شاموں کے کھلنڈرے ملحوں کی دستکوں کی ممضنی زندگی کے میلے میں بچھڑے ہوؤں کی یاد کے تاروں کو مرتعش کرتی رہی ہے'' گزرے ہوئے بے رحم لمحات سے ہمارا شاعر اپنا دامن کبھی بھی نہیں چھڑا سکا ۔ شاید اسی لیے ناصر کی شاعری میں گاؤں کا حوالہ بڑا مضبوط ہے ۔

خود ہی شہر کی سمت مڑا تھا گاؤں سے
جانے پھر کیوں اس کو مڑ مڑ تکتا تھا

بہت رونق ہے پرکھوں کی حویلی
وہیں دل لوٹ جانا چاہتا ہے

ترستا ہی رہا ہوں نقش پا کو
میں چوتھی کھونٹ ، اجڑا راستہ ہوں

ہجر کی ایک طویل رات ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتی اور محفلوں میں ہنسنے ہنسانے والا ناصر رات کے عمیق اندھیرے میں جب پرانی یادوں کی مالا جپنے لگتا ہے تو اس کا محبوب اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور پھر ہمارا شاعر یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے

اسی کے عکس سے معمور ہیں حروف بیاض
پھر اس کے نام بھلا انتساب کیا کرتا

ناصر کی شاعری داخلیت و خارجیت کا حسین امتزاج ہے ۔ اگر ایک طرف وہ اپنے من میں غوطہ لگا کے کچھ موتی سطح آب پر لاتے ہیں ، ہجر کا دکھ ، بچپن کی یادیں ، زندگی کے میلے میں بچھڑے ہوئے پیاروں کا دکھ تو دوسری طرف انہوں نے اپنے عصری کرب کو بھی

www.caarwan.com

Scanned with CamScanner

محسوس کیا ہے۔ اپنی ذات کے حصار سے باہر نکل کر بھی سوچا ہے اور اس سے ہمارے شاعر کا قد کاٹھ بڑھا ہے۔ کراچی کا دکھ یوں محسوس کیا ہے

اب شام سے سب بند گھروں میں ہوئے ناصر
کیا وقت تھا کہ شہر یہ سوتا ہی نہیں تھا

ہمارا حساس شاعر عورت کے مسائل کے حوالے سے کیسے بے خبر رہتا ہے۔

جب آنچل پرچم بن جائے
روشن تارا بن کے عورت
دنیا سے خود کو منوائے

کشمیر کے حوالے سے کہتے ہیں سو ہم کو خود لہو میں ترکشیدہ قاصتوں کے سرخ خوابوں کو ہری تعبیر رہتی ہے۔ ہمیں دنیا کے نقشے کو نئی صورت نئی تصویر دیتی ہے۔

امریکہ کے عراق پر توڑے جانے والے ظلم وستم کے پہاڑ ہوں یا پھر اپنے وطن سے محبت کے تقاضے اور بانی پاکستان سے عقیدت ناصر نے سب کو عمدگی سے نبھایا ہے

جو چاہتے ہو امر دل کی چاہتیں رکھنا
وطن کے نام ہی ساری محبتیں رکھنا

ناصر ایک سچا فن کار ہے اور ایک سچا فن کار اپنے عہد کی ناہمواریوں سے نا آشنا نہیں رہ سکتا۔ ہمارا شاعر کھلی آنکھوں سے اپنے اردگرد رونما ہونے والے واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اپنی خداداد دانش کے بل بوتے پر ان سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ وہ ملک خداداد کی ناتواں مخلوق کی بے بسی پر لہو کے آنسو روتا ہے۔ وہ اس آکاش بیل سے آشنا ہے جو دوسروں کے خون پر پلتی ہے وہ اپنے لوگوں کے غم ان کی بے بسی کا محرم راز ہے۔ جب وہ لوگوں کے حبس زدہ موسم میں لو کی دعائیں مانگتے دیکھتا ہے تو اس کی دور بین نگاہیں عالمی

تناظر میں ایک دیمک کو دیکھ لیتی ہے جو اس کے معاشرے سے خوشیوں کی فصل چاٹ رہی ہے۔ امریکہ حوالے سے ہمارے شاعر کا تجزیہ کتنا درست ہے۔

دکھتا دور سے ہے دودھ کی اور شہد کی نہریں
مگر ان تک پہنچنے کے کبھی ویزے نہیں دیتا

''شامیں فریب دیتی ہیں'' میں فضا آفرینی، محاکات، ذاتی تجربے کی بازگشت سبھی کچھ موجود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شاعری میں تخلیق کار کے اندر کا شاعر اپنے جذبوں ہی کے حوالے سے تشکیل پاتا ہے۔ ناصر کی شاعری جذبات اور تفکر کا حسین، امتزاج ہے۔ انسانی نفسیات کی عکاسی، عشق ومحبت کی وارداتیں اس کی شاعری کے افق پر جگہ جگہ بکھری نظر آتی ہے۔ وہ عشق میں تفریق کا قائل نہیں وہ حقیقی اور مجازی کے مباحث میں نہیں الجھتا۔ معاشرتی ناہمواریوں کے بیان میں اس کا فن ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ ناصر نے اپنی شاعری میں ہندی الفاظ وتراکیب کو بڑی عمدگی سے نبھایا ہے ایسے اشعار میں موسیقیت کی چاشنی بھی ہے اور ہندی الفاظ کی مدھرتا بھی۔

جلتی بجھتی آشاؤں میں پیار کی رم جھم کھو بیٹھا ہوں

یا یہ مصرعہ دیکھیے

اپنے روپ کے چندر ما کو گوری مت تو کہن لگانا

یا

پیار کی مستی حسن کا جادو
سب مایا ہے سب مایا ہے

ناصر کی شاعری کا ایک روشن حوالہ اس کا اپنی مٹی سے پیار ہے۔ وہ اپنے لوگوں سے کٹ کر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ ان کی آنکھوں میں جلتے بجھتے دیپک دیکھ کر ان کے لیے

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

روشنی کی خواہش کرنا ناصر کے ضمیر کا حصہ ہے اپنی ایک نظم ''محفوظ کل کے لیے ایک دعا''
میں اپنے وطن کے لیے یوں اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

یہ مٹی کا گھر ہے۔۔۔مگر اس کی مٹی سراپا گہر ہے
اخوت محبت کی شبنم سے جیسے یہ گھر تر بتر ہے
یہ دعا دیکھئے اپنے وطن کے لیے۔
تو اے اس کے اجلے سویروں سہانی سی شاموں کے مالک مجھے وہ ہنر دے
کہ میں اپنے گھر کے مکینوں کی آنکھوں کو وہ روشنی دوں
کہ جس سے وہ اپنے ہر اک دکھ کو سکھ میں بدل دیں۔

''شامیں فریب دیتی ہیں'' کی شاعری سرحد کی فضاؤں میں تازہ ہوا کا ایک ایسا جھونکا ہے جو آنے والے دنوں میں ہمارے چھوٹے سے گلوبل ویلیج کو مہکا تا رہے گا۔ میں اس ہموار لہجے کے شاعر کو ''شامیں فریب دیتی ہیں'' کی پیدائش پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

ناصر

طارق ہاشمی

عجیب صبحوں، عجیب شاموں کا سامنا ہے
کسی شناسا کی دید کوئی
نہ قتلِ رنج و ملال دل کی کلید کوئی
نہ شعرِ تازہ کی چشمِ تر کو نوید کوئی
عجیب صبحوں، عجیب شاموں کا سامنا ہے
طلوع ہوتا ہے دن تو آنکھیں شعاعیں ہر سو ٹٹولتی ہیں
مگر دھندلکوں میں ڈولتی ہیں
عجیب دن ہیں کہ روشنی نام کو نہیں ہے
مگر تپش اس قدر کہ پیکر جھلس رہے ہیں
درخت محروم ہیں پرندوں کے چہچہوں سے
فضا مصرّی ہے بوئے گل سے
عجیب دن ہیں کہ ڈھل رہے ہوں تو غم بھی سالوں کے ساتھ بڑھتے ہیں، پھیلتے ہیں
پیام یارانِ حال کوئی
نہ رفتگاں کا خیال کوئی
ہے عرصۂ شام ایسے ویراں کلائی بیوہ کی جیسے خالی
شفق کی سرخی کہ وقت کی کن پٹی پہ جس طرح خون کی لکیریں

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

چہار سو ایک اژدہامِ سکوت کا شور موجزن ہے
زماں کا دریا رکا ہوا ہے مری رگوں میں لہو کی صورت
صیب راہداریوں کے زنداں میں قید ہوں۔۔اور نگاہ ششدر
یہ کیا اذیت کا سلسلہ ہے
وجود کن واہموں کے دھوکے میں گھر گیا ہے
ہر ایک سچ، کذب ہے، ریا ہے
سراب صبحیں ہیں اور "شامیں فریب دیتی ہیں"

استادِ محترم کے لیے

سعود

میں آپ سے گر خیال سیکھوں نہ خواب سیکھوں
تو کس سے جا کر خدا کی سچی کتاب سیکھوں

مری زباں نے سوال سیکھے تو مجھ سے پوچھا
وہ کون مرشد ہے جس سے پہلا میں خواب سیکھوں

میں چاہتا ہوں کہ اپنے پیکر کی خاک چھانوں
پھر اپنی آنکھوں پہ فاش ہو کر حجاب سیکھوں

مجھے کنارے کا ہر بگولہ خراج دے گا
اگر سمندر کی تہہ میں جا کر حباب سیکھوں

مجھے یہ خواہش کسی کی چوکھٹ پہ لا چکی ہے
کہ اس کی آنکھوں سے دیکھ لوں اور گلاب سیکھوں

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

استادِ محترم

احمد فیاض

فریب دیتی ہوئی شاموں کے تسلسل میں
خسارہ کتنا اٹھایا ہے۔ کتنا باقی ہے
ہم اہلِ مہر و محبت نے کب یہ سوچا ہے
شفق کی کرنوں سے ملتے دلاسے جھوٹے صحیح
کہ روشنی کیلئے دل کا نور کافی ہے
اٹھائے سرخ گلابوں کی پتیوں کا علم
میں رنگ و نسل و زبان
سب سے ہٹ کے دنیا کو
اس ایک رشتۂ پیہم میں جوڑنا چاہوں
مرا طریق محبت ہے بس محبت ہے
میں آئے دن اسی شہرِ ریا میں رہتے ہوئے
خلوص و مہر و رفاقت کے گلستانوں سے
وفا کی خوشبو چرا کر بکھیر دیتا ہوں
جسے یہ لوگ
مری نظم و نثر کہتے ہیں

ناصر

طارق ہاشمی

عجیب صبحوں، عجیب شاموں کا سامنا ہے
کسی شناسا کی دید کوئی
بہ قتلِ رنج و ملال دل کی کلید کوئی
بہ شعرِ تازہ کی چشمِ تر کو نوید کوئی
عجیب صبحوں، عجیب شاموں کا سامنا ہے
طلوع ہوتا ہے دن تو آنکھیں شعاعیں ہر سو ٹٹولتی ہیں
مگر دھندلکوں میں ڈولتی ہیں
عجیب دن ہیں کہ روشنی نام کو نہیں ہے
مگر تپش اس قدر کہ پیکر جھلس رہے ہیں
درخت محروم ہیں پرندوں کے چہچہوں سے
فضا مصر ہے بوئے گل سے
عجیب دن ہیں کہ ڈھل رہے ہوں تو غم بھی سالوں کے ساتھ بڑھتے ہیں، پھیلتے ہیں
پیام یارانِ حال کوئی
نہ رفتگاں کا خیال کوئی
ہے عرصۂ شام ایسے ویراں کلائی بیوہ کی جیسے خالی
شفق کی سرخی کہ وقت کی کن پٹی پہ جس طرح خون کی لکیریں

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

چہار سو ایک اژدہامِ سکوت کا شور موجزن ہے
زماں کا دریا رکا ہوا ہے مری رگوں میں لہو کی صورت
صہیب راہداریوں کے زنداں میں قید ہوں۔۔اور نگاہ ششدر
یہ کیا اذیت کا سلسلہ ہے
وجود کن واہموں کے دھوکے میں گھر گیا ہے
ہر ایک سچ، کذب ہے، ریا ہے
سراب صبحیں ہیں اور ''شامیں فریب دیتی ہیں''

شامیں فریب دیتی ہیں

طاہر شیرازی

ناصر علی سید، اردو ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔نثر اور شعری میں یکساں دسترس ہونے کے سبب جہاں آپ اچھی شاعری کرتے ہیں وہاں کالم نگاری، ڈرامہ اور دیگر مضامین بھی آپ کی مقبولیت کا باعث ہیں۔ناصر علی سید ایک ادیب ہونے کے ساتھ ادب پروری میں بھی نو واردانِ ادب کے لیے حوصلے کا باعث ہیں۔زیرِ نظر کتاب ''شامیں فریب دیتی ہیں''میں شامل کلام ان کی بے چینی اور اضطراب کے ترجمان ہیں۔ ان کے اشعار میں ان کی علامت نگاری، استعارہ اور ابہام کے الگ الگ مزے ہیں۔ بالواسطہ اور بلاواسطہ اظہار بروقت ہے اس لیے قاری کے ساتھ ان کا قلبی تعلق ہمہ وقت رہتا ہے۔

پیرِ مغاں

ڈاکٹر نور حکیم جیلانی

پشاور کے ادبی حلقوں میں ناصر علی سید کو پیرِ مغاں کہا جاتا ہے۔نوخیز ذہنوں کی تربیت ہو یا بنجر دماغوں کی آبیاری یا غلط گمانوں پہ سنگساری، ناصر ایک عالم سرشاری میں ایسی خوش گفتاری کا مظاہرہ کرتا ہے۔جو عقل و دانش فہم و ادراک کے در کھولتی ہوئی آپ کی انگلی پکڑ کر معانی و مطالب کی نئی نئی دنیاؤں دھنک رنگ فضاؤں رنگیں کہکشاؤں کی اور لے جاتی ہے۔

www.caarwan.com
Scanned with CamScanner

حرفِ آخر

شکریہ ان احباب کا دوستوں کا ناصر علی سید کے شاگردوں کا جنہوں نے اپنی بے
محبت کا اظہار لفظوں کے لبادے کو خلوص کی مہک سے معطر کر کے دیا۔

یہ ان احباب کا بھی جنہوں نے ناصر علی سید کی ہمہ جہت شخصیت کے اعتراف
مضامین تو لکھے، مگر اُنھیں سنبھال کے نہ رکھا، جس کی بناء پر اس کتاب میں وہ
مضامین شامل نہ ہو سکے۔ مگر پھر بھی

یار زندہ صحبت باقی

حسام حر

www.caarwan.com Scanned with CamScanner